

# آیات الحج الذین

سید احمد عظیمی

سوانح حیات  
باب التاج الدین  
ناگپوری

مکتبہ  
سہیل احمد عظیمی

مکتبہ روحانی ڈائجسٹ

۱۔ کے۔ ۱۳۔ ناظم آباد۔ کراچی ۱۸۔



## جملہ حقوق محفوظ

ہندوستان میں سب سے پہلے کے جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب ————— راجہ شیلپتان ادریش پور

مرتب ————— شہل احمد علی

ناشر ————— حکیم تقاریوسف

مکتبہ رحمانی ڈائجسٹ

سن اشاعت ————— ۱۹۸۵ء

قیمت ————— قیمت = 65 روپیہ



عارف باللہ حیاتون،

مریم اماں

کے نام

جن کے لئے

شہنشاہ ہفت قلم حضرت بابا تاج الدین

کا ارشاد ہے:

"میرے پاس آنے سے پہلے مریم اماں کی خدمت میں

حاضری دی جائے۔"

فہرست

۴۷	کشف و کرامات	۱۳	روحانی انسان
۴۸	آزم	۱۹	حالات زندگی
۴۹	مفتد	۱۹	نام اور القاب
۴۹	ملنے	۲۰	قہذان
۵۰	پیشہ اور انجمن	۲۰	پیشہ نشتر
۵۱	سول سرجن	۲۱	بچپن اور جوانی
۵۱	قریب اللہ رک	۲۲	فوج میں شمولیت
۵۲	ابن سیرت	۲۳	دہ نوکر میں نہیں کرتے
۵۳	دنیا سے رخصتی	۲۵	نسبت فیضان
۵۳	جلد و فالت	۲۰	پاکل جوہر پری
۵۵	بحال کا حکم	۲۳	شکر درہ میں قیام
۵۵	دیکھنے کی چیز	۲۵	واک میں قیام
۵۶	لبس کو درست	۲۴	شکر درہ کو واپس
۵۸	غیر داتہ	۳۸	معمولات
۵۹	میں بیکل سر شریف	۴۰	انوار گفتگو
۶۱	منک کی خوشبو	۴۱	رحمت و شفقت
۶۲	شیر و	۴۲	تعلیم و تلعین



۹۶	آودھ پوجان	۹۶	مریم بی امال
۹۷	کیوں دوڑتے ہو حضرت	۹۷	بابا قادیان
۹۸	دال بھات	۹۸	حضرت مولانا محمد یوسف شاہ
۹۹	نیکیت روز	۹۹	خواجہ علی اسیر الدین
۱۰۰	علی پادشاه اور گاندھی جی	۱۰۰	مہاراجہ رگھو جی راؤ
۱۰۱	سب سے نیک سپاہی	۱۰۱	حضرت فتح محمد شاہ
۱۰۲	بند و سلفدار	۱۰۲	حضرت کل والے شاہ
۱۰۳	بھوت بھگت	۱۰۳	حضرت رسول بابا
۱۰۴	پراسرار قبچقا	۱۰۴	حضرت مسکین شاہ
۱۰۵	موت کی تصویر	۱۰۵	حضرت انور کریم
۱۰۶	پراسرار گھڑ	۱۰۶	حضرت بابا عبدالرحمن
۱۰۷	معرراج	۱۰۷	حضرت بابا جہانگیر
۱۰۸	بہا بکشت رات	۱۰۸	حضرت حکیم الدین
۱۰۹	پراوی	۱۰۹	حضرت محمد رفیع العزیز عرف نانا میاں
۱۱۰	نہر پانی چکل	۱۱۰	نیا آئند بابا نیل کنٹھ راؤ
۱۱۱	ولی پادشاه	۱۱۱	سکھ پانی
۱۱۲	احسان	۱۱۲	لیفٹنٹ صاحبہ
۱۱۳	دعا اور ترکی	۱۱۳	حضرت دوا بابا
۱۱۴	دیو کا راز	۱۱۴	تانی صاحب
۱۱۵	الہ اللہ کر کے بیٹھ جائز	۱۱۵	
۱۱۶	شاعر عمری	۱۱۶	
۱۱۷	وصال	۱۱۷	
۱۱۸	فیض اوفیض یا فنگان	۱۱۸	
۱۱۹	حضرت انسان علی شاہ	۱۱۹	

ABDUS SAMAD SUSPENDED

پریس مائل

۱۸۹	حضرت محمد فرحت بابا	۱۸۹	مریم بی امال
۱۹۰	قاضی احمد علی	۱۹۰	بابا قادیان
۱۹۱	حضرت فرید الدین کریم بابا	۱۹۱	حضرت مولانا محمد یوسف شاہ
۱۹۲	قلندر بابا ادیانہ	۱۹۲	خواجہ علی اسیر الدین
۱۹۳	سلسلہ فطیر	۱۹۳	مہاراجہ رگھو جی راؤ
۱۹۴	روح و قسم	۱۹۴	حضرت فتح محمد شاہ
۱۹۵	نقشہ اور گراف	۱۹۵	حضرت کل والے شاہ
۱۹۶	بی بیات	۱۹۶	حضرت رسول بابا
۱۹۷	تذکرہ تاج الدین بابا	۱۹۷	حضرت مسکین شاہ
۱۹۸	انسان فرشتے اور جنات	۱۹۸	حضرت انور کریم
۱۹۹	شیر کی عقیدت	۱۹۹	حضرت بابا عبدالرحمن
۲۰۰	پتے کیڑے بن گئے	۲۰۰	حضرت بابا جہانگیر
۲۰۱	دیواریں سے گندھنا	۲۰۱	حضرت حکیم الدین
۲۰۲	دو برس کا چاند	۲۰۲	حضرت محمد رفیع العزیز عرف نانا میاں
۲۰۳	تنگ پیر ہی بن جاتے تھے	۲۰۳	نیا آئند بابا نیل کنٹھ راؤ
۲۰۴	لنگڑا بیبا کی چھوڑ بیبا	۲۰۴	سکھ پانی
۲۰۵	گولا زخمہ ہو گیا	۲۰۵	لیفٹنٹ صاحبہ
۲۰۶		۲۰۶	حضرت دوا بابا
۲۰۷		۲۰۷	تانی صاحب



• انسان پابہر گل ہے اجنات پابہرولی ہیں، فرشتے پابہر نور۔ یہ فکر تین قسم کے ہیں اور تینوں کائنات ہیں۔

• فکر کے ذریعے ستاروں، ذروں اور تمام مخلوق سے ہمارا تبادُل خیال ہوتا رہتا ہے۔ ان کی انسانی فکر کی ہر سہریں ہمیں بہت کچھ دیتی ہیں اور ہم سے بہت کچھ لیتی بھی ہیں۔ تمام کائنات اس وضع کے تبادُل خیال کا ایک خاندان ہے۔

• خیالات روشنی کے ذریعے ہم تک پہنچتے ہیں۔ روشنی کی چھوٹی بڑی شعاعیں خیالات کے لاشعاع تصور غفلت کے کڑا قہر ہیں۔ ان ہی تصور غفلتوں کو ہم اپنی زبان میں تو ہم حقیقت تصور اور فکر وغیرہ کا نام دیتے ہیں۔

• سائنس دان روشنی کو زیادہ سے زیادہ تیز رفتار قرار دیتے ہیں۔ لیکن وہ اتنی تیز رفتار نہیں ہے کہ زمانی مکانی فاصلوں کو منقطع کرے۔ البتہ آنا کی ہرگز لامتناہیت میں ہر ایک وقت ہر جگہ موجود ہیں۔ زمانی مکانی فاصلے ان کی گرفت میں رہتے ہیں۔

• ساری کائنات میں ایک ہی لاشعور کا قمر ہے۔ اس کے ذریعے فیضِ شہرہ کی ہر سہری دوسری ہر کے معنی سمجھتا ہے چاہے ہر دونوں ہرگز کائنات کے دو کائناتوں میں ہوں۔ ہم فکر اور توجہ کر کے اپنے سینے اور دوسرے سینوں کے اندر و احوال کا انکشاف کر سکتے ہیں۔ مسلسل توجہ دینے سے ذہن کائناتی لاشعور میں تحلیل ہو جاتا ہے اور ہمارے سر پر اس کا سین ہرگز آنا کی گرفت سے آزاد ہرگز ضرورت کے مطابق ہر چیز کو دیکھتا سمجھتا اور شعور میں محفوظ کر دیتا ہے۔

تذکرہ تاج الدین بابا

تصنیف قلندر بابا اولیاء

شہنشاہ ہفت اقلیم، تاج الملک والدین، حامل علم لدنی، واقعہ اسرار کائنات حضرت بابا تاج الدین ناگپوریؒ کی ذات بابرکات پر قلم اٹھانا شروع کو چپ ارج دکھانے کے مترادف ہے۔ حضرت بابا تاج الدینؒ کے نواسے اور سلسلہ عظیمہ کے بانی اہل حق قلندر بابا اولیاءؒ کا ارشاد ہے کہ

”نا تاج الدین مہر برگزیدہ ستمی سار سے تین ہزار سال میں اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی کرم سے پیدا کرنا ہے۔ یہ ساری کائنات چار نورانی آبشاروں پر قائم ہے۔ نا تاج الدین کی عظمت کا حال یہ ہے کہ نور اور تجلیات کی ان چاروں آبشاروں کو اپنے اندر اس طرح جذب کر لیتے ہیں کہ ایک قطرہ بھی ادھر اُدھر نہیں ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قربت کا عالم یہ ہے کہ حضور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس فرزند کی کوئی بات کہی نا منظور نہیں کی۔“

بابا تاج الدین ناگپوریؒ کے حالات اور کشف و کرامات پر گزشتہ ستر پچھتر سالوں میں کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ ان میں اردو کے علاوہ گجراتی اور ہندی زبان میں شائع شدہ کتابیں بھی ہیں۔ حضرت بابا تاج الدین ناگپوریؒ کے علم و عرفان اور غیب و مہود کے وارث قلندر بابا اولیاءؒ نے تذکرہ تاج الدین بابا



کئے نام سے ایک کتاب تصنیف فرمائی۔ روحانی دنیا میں یہ پہلی کتاب ہے جس میں کشف و کرامات کی علمی تہذیب بیان کی گئی ہے اور بابا تاج الدین کے ان علوم کا ذکر کیا گیا ہے جن علوم کا تعلق براہ راست ان چار نورانی ابشاروں سے ہے جو بابا تاج الدین رحمہ کی روح کے اندر ہمہ وقت تسلسل اور تواتر کے ساتھ جذب ہوتی رہتی ہیں۔ تذکرۃ تاج الدین بابا کی اشاعت کے بعد مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی نے مجھ سے بار بار کہا کہ حضرت بابا تاج الدین ناگپوری رحمہ کے حالات زندگی پر ایک بھرور کتاب لکھو

قانون یہ ہے کہ جب کسی ایک بات پر عارف باللہ کا ذہن مرکوز ہو جائے تو اس کا مظاہرہ ایک امر لازمی ہو جاتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ آنکھوں کے نور میرے روحانی باب حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی کا یہی ذہن روحانی تصرف کے ذریعے جب مجھے منتقل ہوا تو کتاب کی ترتیب و تالیف کا کام شروع ہو گیا۔ مرشد کریم کے تصرف، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نظیر رحمت سے کتاب پوری ہوئی جو آپ حضرات کے ہاتھوں میں ہے۔

میں نے کوشش کی ہے کہ تحریر آسان ہو اور طوالت قاری کے اوپر گراں نہ گزرے۔ زیر نظر کتاب میں اجمال اور تفصیل کے دائرے میں رہتے ہوئے ایسا کیا گیا ہے کہ حضرت بابا تاج الدین ناگپوری رحمہ کی ہستی سے متعلق زیادہ سے زیادہ گوشے دائرہ تحریر میں آجائیں۔ مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ حضرت بابا تاج الدین ناگپوری عظیم المرتبت اور عارف ذات وجل جلالی ہستی پر کچھ لکنا اور اس کا حق ادا کرنا بہت مشکل کام ہے۔ پھر بھی جو کچھ مجھے جہاں

سے بھی ملا۔ میں نے کم سے کم صفحات پر اسے بکھیر دیا ہے۔  
حضرت بابا تاج الدین ناگپوری کے حالات اور کشف و کرامات کی تالیف تہذیب میں جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے ان میں جناب قطب الدین کی کتاب تاج قطبی، حضرت فرید الدین المعروف کریم بابا ناگپوری کی تالیف "تاج مراری" اور بابا ذہین شاہ ناگپوری کی کتاب "تاج الاولیاء" شامل ہیں۔ ان کتابوں کے علاوہ ماہ نامہ روحانی ڈائجسٹ، کراچی سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ میں روحانی ڈائجسٹ کے ایڈیٹر جناب حکیم وقار یوسف عظیمی کا ممنون ہوں جنہوں نے اس کتاب کی تالیف تہذیب میں ہر ممکن تعاون کیا۔ اور قیمتی مشوروں سے نوازا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کوشش کو قبول فرمائے آمین!

اسیل احمد عظیمی  
۲۔ ذی قعد ۱۴۰۵ھ  
مطابق  
۲۱۔ جولائی ۱۹۸۵ء



## روحانی انسان

کائنات میں رنگ رنگ عجائبات پر جب ہم غور کرتے ہیں تو ہمیں دو رخ نظر آتے ہیں۔ ایک رخ انکار و شکوک و شبہات پر قائم ہے اور دوسرا رخ یقین اور یقینی پر قائم ہے۔ کائنات میں انکار اور اقرار کے یہ دونوں رنگ ہر لمحہ اور ہر آن متحرک رہتے ہیں۔ یقین اور اقرار کا تذکرہ سچائی اور راست بازی سے کیا جاتا ہے جس طرح انکار کے وجود سے انکار نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح سچائی اور راست بازی کا تذکرہ بھی ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے۔ عام طور پر اس لفظ کی معنویت اور طاقت پر بہت کم غور کیا جاتا ہے۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ جیسے ہی یہ لفظ زبان پر آتا ہے کہنے والا اپنے اندر لاحد و دطاقت کے چٹنے اُبلتے ہوئے محسوس کرتا ہے۔ کائنات کی ساری طاقتیں ہی لفظ میں پوشیدہ ہیں اور راست بازی قدرت کا دوسرا نام ہے۔ ہم جس چیز کو غیر کے نام سے جانتے ہیں وہ بھی دراصل راست بازی کی چھپی ہوئی طاقتوں کا ایک مربوط نظام ہے۔ نبی اور رسولوں کے ذریعے دنیا میں جتنے بھی غیر معمولی مذاہب رونما ہوئے ان سب نے راست بازی کے خدا و خالق میں نشرو نہما پائی۔ نبی اور رسولوں کی بعثت کا سلسلہ جب ختم ہو گیا تو انہوں نے تقاضے کی سنت کے مطابق، انبیاء کے شاگردوں کو انبیاء کی طرز فکر منتقل ہوتی رہی۔ لوگ پیدا ہوتے رہے اور انبیاء کے کرام کے علوم ان پاکیزہ نفس حضرات کو منتقل



حضرت بابا قاسم الدین ادریس



ہوتے رہے۔ عرف عام میں ان ہی باحوصلہ، باعزم، باہمت اور راست باز لوگوں کو اولیاء اللہ کہا جاتا ہے۔ یہ اولیاء اللہ دراصل مشکل صورت میں فکر و نظر میں اور حیات و ممات میں راست بازی کے نقوش ہیں۔ پجائی اور راست بازی ان شخصیتوں میں رواں دواں رہتی ہے۔ ان کی پیشانیوں پر خوشنالی رہتی ہے۔ ان کی نورانی آنکھوں سے جھلکتی ہوئی بصیرت اور زبان سے نکلے ہوئے الفاظ راست بازی کے پھیلاوت ہوتے ہیں۔ اور یہی نوب انسان کا حقیقی سرمایہ ہیں۔

عارضی ہو، دورِ حاضر کی مادی ترقیاں ہوں یا مستقبل میں زمین و آسمان کو ایک بنا دینے والی ایجادات ہوں بہر کیف عارضی اور فنا ہو جانے والی ہیں لیکن اہل زمین کے لئے راست بازی ایک ایسا سرمایہ ہے جس کا کوئی متبادل نہیں۔ اس لاتناہی اور ہمیشہ قائم رہنے والے سرمایے کا نام حقیقی دنیا میں رومانیست ہے۔ جن شخصیتوں اور شخصوں سے فلسفہ حیات کی یہ سرمایہ حاصل ہے وہ انسانی زندگی کا جوہر ہیں۔ ان کے فیض سے انسانی چہروں میں سادگی و پاکیزگی، انسانی قد و قامت میں صبر و عزم، انسانی قلب میں نور اور روشنی کی تحریکات ملتی ہیں۔ یہ روشن اور نور لوگ اندھیروں اور اجالوں کے درمیان حدِ فاصل ہیں۔ ترقی اور تہذیب کے نئے نئے شکوفے انسانیت کے ماتھے پر جھوم نہیں بجا سکتے لیکن ان پاکیزہ خیالات لوگوں نے ہمیشہ نوب انسان کو سکون و راحت کی دولت سے نوازا ہے۔ آج بھی وہی لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجسم پیغام ہیں۔ ان کی پیشانیوں سے وہ شعاعیں نکلتی ہیں جن شعاعوں کے ذریعے فرش و اے عرش پر مشکن ہو جاتے ہیں اور اللہ کی آواز صوتِ سرمدی بن کر ان کے کانوں میں رس گونئی رہتی ہے۔ نگاہ اوپر اٹھتے ہوئے تخلیقات کا نجوم ان کا استقبال کرتا ہے۔

ان ہی پاکیزہ، باکردار اور مقدس و مطہر حضرات میں علم و عرفان سے آراستہ ایک سنی حضرت بابا تاج الدین ناگ پوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

جس طرح روشنی کے ٹھور کے لئے میڈیم (دب) کا ہونا ضروری ہے اسی طرح قدرت کا چلن یہ ہے کہ وہ خود کو کائنات کے ذرتے ذرتے میں منعکس کرنے کے لئے اپنا ایک میڈیم بناتی ہے اور یہ میڈیم خود قدرت کا اپنا عکس بن جاتا ہے۔ اس میڈیم کا کل قدرت کا کل ہوتا ہے۔ قدرت جو کچھ کہنا چاہتا ہے اس کا مفہوم اس کی گفتار میں چھپا ہوتا ہے۔ قدرت جو کچھ دکھانا چاہتی ہے، وہ سب اس کی آنکھوں میں منعکس ریز رہتا ہے۔ ایسے لوگوں کی زندگی کے ایک ایک لمحے پر قدرت کے سرستہ راز محیط ہوتے ہیں۔ بلاشبہ یہ پاکیزہ حضرات اعلیٰ ترین انسانی صلاحیتوں سے مشعب ہوتے ہیں۔

حضرت بابا تاج الدین کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جن کے دماغ پس پردہ عمل میں آنے والے مناظر کو براہِ راست دیکھتے اور سمجھتے ہیں۔ ان کا ذہن خیال اور تصور میں بھی مشیت کے اشارے سے تلاش کرتا ہے۔ ایسے حضرات کے اندر غیر معمولی صلاحیتیں کام کرتی ہیں۔ اتنی غیر معمولی صلاحیتیں کہ جو چیزیں سامنے نہیں ہوتیں وہ ان کو بھی سامنے آتی ہیں۔ ان کے ذہن کے ساتھ کائنات کی ہر شے حرکت کرتی ہے۔ قدرت انسانی کو متعارف کرانے کے لئے ایسے حضرات پیدا کرتی ہے جو قدرت کے ابنِ نوح۔ قدرت کا یہی جذبہ بابا تاج الدین جیسی سنی کی پسندائش کا باعث بنتا ہے۔ جس طرح کوئلہ ایک پتھر ہے اور ہیرا بھی پتھر کے قبیلے سے تعلق رکھتا ہے اسی طرح ہم انسانوں کی دنیا میں بابا تاج الدین بھی ایک ہیرا تھے جسے مشیتِ یزدی نے



تراش خراش کے مراحل سے گزار کر رنگ و نور کا مجموعہ بنا دیا تھا۔

ادیار اللہ اور عارف باللہ حضرات کی تاریخ میں بابا صاحب کی ذات ایک پورا باب ہے، ایسا باب جس کو پوری طرح سمجھنا ہم جیسے لوگوں کے لئے تو کجا بڑے بڑے لوگوں کے لئے بھی ممکن نہیں ہے۔ پھر بھی جو کچھ بابا صاحب سے متعلق ہم تک پہنچا ہے اس کے ذریعے ہم اپنے ذہنوں میں بابا صاحب کی ہستی کا ایک خاکہ ضرور بنا سکتے ہیں اسی طرح جس طرح ظہور آفتاب سے پہلے ہم سورج کو نہیں دیکھ سکتے لیکن جو روشنی رات کے سیاہ اندھیرے کو چاک کر دیتی ہے، اُسے دیکھ کر سورج کی موجودگی اور اس کی عظمت کا تصور ہمارے ذہنوں پر مرتب ہو جاتا ہے۔ اہل نظر سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ بابا صاحب جیسی عظیم المرتبہ ہستی ساڑھے تین ہزار سال میں پیدا ہوئی ہے۔

بابا تاج الدین کا تذکرہ کوئی قصہ پانہ نہیں ہے۔ آج بھی ہمارے درمیان رہنے والے لوگ موجود ہیں جنہوں نے بابا صاحب کو دیکھا ہے، ان کی باتیں سنی ہیں، ان کے انداز و اطوار کا شاہدہ کیا ہے۔ ماضی قریب میں بہت سے لوگ ہم سے جدا ہو گئے جن کی آنکھیں بابا صاحب کی شانِ جلال و جمال کی این تھیں۔ ان لوگوں میں عام طبقے سے لے کر اعلیٰ تسلیم یافتہ، نہایت قابل اور مقتدر افراد شامل ہیں۔ ان حضرات نے جب بھی بابا صاحب کا ذکر کیا یا تذکرہ کرتے ہیں تو ان کا لہجہ بدل جاتا ہے، اندازِ بیان میں تبدیلی آ جاتی ہے۔ احترام، عقیدت اور اعترافِ عظمت ان کے ایک ایک لفظ سے نکلنے لگتے ہیں۔

بابا تاج الدین نہ کوئی حاکم تھے، نہ آپ کے پاس دولت کی قوت تھی، نہ ہی مذہبی اقتدار حاصل تھا۔ پھر بھی نہ جانے کون سی حکمت اور خوبی انہیں حاصل تھی کہ مکر اور

نوابوں اور رؤسا کی پیشانیاں اس فقیر کے دربار میں ٹھیک بٹھیک گئیں۔ ۲۵ سال تک دگ قطار در قطار کھنپے ہوئے ان کے پاس پہنچے۔ بابا صاحب کا یہ بہت بڑا اعجاز ہے کہ مسلسل ۲۵ سال عوام میں رہ کر ان کی حاجت روائی فرمائی۔ اپنی توانائی، ذہن اور وقت کا انبار کر کے لوگوں کے لئے سامانِ تسکین فراہم کیا۔ لوگ عاجز خدمت ہوتے تو سب دُکھ بھول جاتے اور یوں لگتا جیسے خوشی اور اطمینان ان کے خون کے ساتھ دوڑنے لگا ہے۔ لوگ وہ ستر تیں حاصل کرتے جو دنیا کے سارے وسائل فراہم ہونے کے بعد بھی حاصل نہیں ہوتیں۔ سادگی اور خلوص کے اندرونی چٹنے بیک دم اُبل پڑتے۔ ایسا معلوم ہوتا کہ ساری آلائشیں دھل گئی ہیں۔ اور دماغ پاکیزگی اور لطافت سے معمور ہو گیا ہے۔

بابا صاحب کی زبانِ مبارک حق کی آواز تھی۔ ان کی جامع صفات ہستی پر حیدرِ قدسی کے یہ الفاظ پوری طرح صادق آتے ہیں۔

”میرے بندے! میری اطاعت کر، میں تجھے اللہ والا بنا دوں گا۔“

پھر تو جس چیز کو کہے گا ہر جا، وہ ہو جائے گی!

آج جاگ پور کی وجہ تعارف بابا تاج الدین ہیں۔ ناگ پور کا نام آتے ہی بابا صاحب کا تصور ذہن میں آ جاتا ہے۔ صرت ناگ پور ہی میں نہیں، ہر جگہ بابا صاحب کے نام کا ڈنکا بج رہا ہے۔ آج بھی لاکھوں دلوں پر بابا صاحب کی حکومت قائم ہے بابا کے نام کے ساتھ لاکھوں دلوں میں عقیدت و محبت کے لیے لوٹ جذبات موجزن ہو جاتے ہیں۔ لاکھوں گھروں میں بابا صاحب کی آویزاں تصاویر اس تعلق خاطر کی گواہ ہیں۔ آج بھی بابا تاج الدین کا نام ہر وہ مسامت سے مکرنا ہے یا نگاہ ان کی تصویر پر پڑتی



ہے تو لگتا ہے کہ بابا صاحب اپنی شان ولایت سے جلوہ افروز ہیں۔ بے شک ایسے قدسی نفس حضرات کو موت فنا نہیں کر سکتی۔ وہ آخر ہیں۔ زندگی ان کی آغوش میں کروٹیں لے رہی ہے لیکن میں شعور نہیں ہے۔

✽

## حالاتِ زندگی

نام اور القاب | آپ کا نام محمد تاج الدین تھا۔ اور پیار سے چراغ دین کہلاتے تھے۔ صرف عام میں تاج الدین بابا کہلاتے۔ آپ کے القاب یہ ہیں :-

تاج الاولیاء ،

تاج الملک والذین ،

تاج العارفین ،

تاج الملوک ،

سراج الدین ،

شہنشاہ ہفتِ قلم۔

شہنشاہ ہفتِ قلم بابا صاحب کا ایسا لقب ہے جو تشریح و تفسیرِ مطلب ہے۔ اس کی مختصر تشریح یوں ہے کہ تمام عالم کو اس کے نمائندے کے نظامِ حکومت میں سنا حقوں میں تقسیم کیا گیا ہے جو سات (ہفت) قلم کہلاتے ہیں۔ چنانچہ باعثِ مکتوبین کائنات حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ نائب جس کے انتظام و اختیار میں ساتوں قلم ہوتے ہیں، شہنشاہ ہفتِ قلم کہلاتا ہے۔

## خاندان

بابا تاج الدین اولیاء کا سلسلہ نسب امام حسن عسکری سے ملتا ہے۔ امام حسن عسکری کی اولاد میں فضیل مہدی عبد اللہ عرب ہندوستان تشریف لائے اور جزیری ہند کے ساحلی علاقے مدراس میں قیام کیا۔ حضرت فضیل مہدی عبد اللہ کے دو صاحبزادے حسن مہدی جلال الدین اور حسن مہدی رکن الدین سفر میں ان کے ساتھ تھے۔ بابا تاج الدین حسن مہدی جلال الدین کی اولاد میں سے ہیں۔

بابا صاحب کے بزرگوں میں جناب سعد الدین مہدی مغلیہ دور میں فوجی افسر ہو کر دہلی آئے۔ بادشاہ دہلی کی طرف سے اہار نام کا ایک موضع بطور جاگیر انہیں دیا گیا۔ مسٹر تریویر کے دور میں صوبے کے گورنر نواب مالاکوٹ نے ناراض ہو کر حقوق جاگیر واری ضبط کر لئے۔ مرث کا شنکاری کی حیثیت باقی رہ گئی۔

بابا تاج الدین کے دادا کا نام جمال الدین تھا۔ بابا صاحب کے والد جناب بدر الدین مہدی تھے جو ساگر ڈپریس صوبے دار تھے۔ اور ان کی سکونت اہار میں تھی۔ ساگر ہندوستان کے صوبے سی۔ پی میں واقع ہے۔ بابا صاحب کی والدہ کا نام مریم علی تھا۔

## پیدائش

حسن مہدی بدر الدین کی اہلیہ مریم بی صاحبہ نے ایک نہایت تاثیر انگیز خواب دیکھا۔ انہوں نے دیکھا کہ چاند آسمان پر پوری آکھوتا ہے چمک رہا ہے اور ساری فضا چاندنی سے ملبوس ہے۔ یہ ایک چاند آسمان سے گیند کی طرح راحک کر ان کی گود میں آگرا۔ اور کائنات اس کی روشنی سے منور ہو گئی۔ اس خواب کی تعبیر بابا تاج الدین کی پیدائش کی صورت میں سامنے آئی۔

عام روایت کے مطابق بابا تاج الدین ۱۱ مئی ۱۲۷۵ء - رجب المرجب ۱۲۷۷ھ

مطابق ۲۷ - جنوری ۱۸۵۷ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کی پیدائش پیر کے دن فجر کے وقت ہتھام کاسی، ناگ پور ہوئی۔ قلندر بابا اولیاء (نواسہ بابا تاج الدین) نے کتاب تذکرہ تاج الدین بابا میں لکھا ہے :-

"تحقیق و تلاش کے بعد بھی نانا تاج الدین کا سال پیدائش معلوم نہیں ہو سکا۔ بڑے نانا (بابا تاج الدین کے بھائی) کی حیات میں مجھے زیادہ ہوش نہیں تھا۔ والد جیہا کہ ان باتوں سے کوئی دل چسپی نہیں تھی۔ میں نے بڑے نانا کی زبانی سنا ہے کہ تاج الدین کی عمر قدر میں (یعنی ۷۷ سال) میں، چند سال تھی۔"

ان دونوں روایتوں کو سامنے رکھا جائے تو بھی بابا صاحب کے سن پیدائش میں چند سال کا فرق پڑتا ہے۔

عام بچوں کے برعکس بابا صاحب پیدائش کے وقت روئے نہیں بلکہ آپ کی آنکھیں بند تھیں اور جسم ساکت تھا۔ یہ دیکھ کر وہاں موجود خواتین کو شبہ ہوا کہ شاید بچہ مردہ پیدا ہوا ہے۔ چنانچہ قدیم قاعدے کے مطابق کسی چبڑ کو گرم کر کے پیشانی اور گلوں کو داغا گیا۔ بابا صاحب نے آنکھیں کھولیں، روئے اور پھر خاموش ہو کر چاروں طرف ٹٹک ٹٹک دیکھنے لگے۔

## بچپن اور جوانی

بابا تاج الدین کی عمر ابھی ایک برس تھی کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ اور جب آپ نو سال کے ہوئے تو والدہ کا سایہ بھی سحر اٹھ گیا۔ والدین کے انتقال کے بعد نانا، نانی اور ماموں نے بابا صاحب کو اپنی سرپرستی میں لے لیا۔

چھ سال کی عمر میں بابا صاحب کو مکتب میں داخل کر دیا گیا تھا۔ ایک دن مکتب میں



بیٹھے درس پڑھ رہے تھے کہ اُس زمانے کے ایک ولی اللہ حضرت عبداللہ شاہ قادریؒ مدرسے میں آئے اور استاد سے مخاطب ہو کر کہا۔

”یہ لڑکا پڑھا پڑھایا ہے اسے پڑھانے کی ضرورت نہیں ہے۔“

لڑکچن میں بابا تاج الدینؒ کو پڑھنے کے علاوہ کوئی شوق نہ تھا۔ آپ کھیل کود کے بجائے تنہائی کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ پندرہ سال کی عمر تک آپ نے ناظرہ قرآن پاک، اردو، فارسی اور انگریزی کی تعلیم پائی۔

**فوج میں شمولیت** ایک مرتبہ ناگپور کی کہنان ندی میں شدید طغیانی آگئی اور سیلاب میں بابا صاحب کے سر پتوں کا سارا سامان بے گیا۔ بے سروسامانی بابا صاحب کی ملازمت کا فوری سبب بنی۔ بابا صاحب نے فوج میں شمولیت اختیار کر لی۔ اور ناگپور کی رجسٹری نمبر ۶ (مدراسی پٹن) میں شامل کر لئے گئے۔ اس وقت آپ کی عمر ۱۸ سال تھی۔

کچھ عرصہ بعد بابا صاحب کی رجسٹری کا تقرر ساگر میں کر دیا گیا۔ بابا تاج الدینؒ کے نواسے قلندر بابا اویسؒ لکھتے ہیں :

”نانا تاج الدین فوج میں بھرتی ہونے کے بعد ساگر ڈپو میں تعینات کئے گئے تھے۔ رات کے ۹ بجے گنتی سے فارغ ہو کر بابا داؤد مکتی کے مزار پر تشریف لے جاتے۔ وہاں صبح تک مراقبہ اور شہادہ میں مصروف رہتے اور صبح سویرے پریڈ کے وقت ڈپو میں پہنچ جاتے۔ پیشہ پورے دو سال تک جاری رہا۔ دو سال بعد بھی ہفتہ میں ایک دو بار ان کے یہاں حاضری ضرور دیا کرتے تھے۔ جب تک ساگر میں رہے اس معمول میں فرق نہیں آیا۔“

کاشی میں بابا تاج الدینؒ کی نانی کو جب اس بات کی خبر ملی کہ نواسہ راتوں کو غائب رہتا ہے تو خیال آیا کہ شاید آپ بری صحبتوں کا شکار ہو کر بے راہ نہ ہو گئے ہیں۔ یہ سوچ کر نانی صاحبہ ساگر جاکر ٹھہر گیا تاکہ یہ معلوم کریں کہ نواسہ راتوں کو کہاں رہتا ہے۔ نانی نے اس خبر کو سچ پایا کہ نواسہ رات کو کہیں جاتا ہے۔ ایک رات کہیں باہر سے کچھ بابا صاحب گھر آئے تو نانی نے ناشتہ سامنے رکھا۔ بابا صاحب نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ جو کچھ نہیں ہے۔ اس جواب سے نانی مزید سنا کر ہر گز اور پکا ارادہ کر لیا کہ رات کو نواسے کا تعاقب کر کے دیکھیں گی کہ وہ کہاں جاتا ہے۔

رات کو جب بابا صاحب ویرانے کی طرف روانہ ہوئے، نانی بھی نظر بچا کر چھپے پھپھے پیچھے ہو گئیں۔ دیکھا کہ نواسہ ایک مزار کے اندر داخل ہوا۔ چند سے انتظار کے بعد اندر جا کر دیکھا تو بابا صاحب ذکر و فکر میں مشغول تھے۔ نواسے کو عبادت و مراقبت میں مدد دے۔ مستغرق دیکھ کر نانی صاحبہ کے دل کا بوجھ اتر گیا۔ انہوں نے بابا صاحب کو بہت دعاؤں دیں اور خاموشی سے واپس چلی آئیں۔

بابا صاحب صبح کو نانی کے پاس آئے تو ان کے ہاتھوں میں چھوٹے چھوٹے پتھر تھے۔ نانی صاحبہ نے ناشتہ پیش کیا تو بابا صاحب نے پتھر دکھاتے ہوئے کہا۔

”نانی ! میں تو یہ لڑو پیڑے کھاتا ہوں۔“

یہ کہہ کر بابا صاحب نے پتھروں کو یوں کھانا شروع کیا جیسے کوئی مسٹائی کھاتا ہے۔ نواسے کی کیفیت دیکھ کر نانی کو کچھ کہنے کی ہمت نہیں ہوئی۔

**دو لو کر یاں نہیں کرتے** رفتہ رفتہ بابا تاج الدینؒ کی طبیعت میں استغراق پیدا ہونے لگا۔ ان ہی دنوں ایک ایسا واقعہ ہوا جس نے بابا صاحب



کہ زندگی کے آخر دور کی بنیاد ڈالی۔ بابا صاحب کی ڈیوٹی اس کے ذمہ پر لگائی گئی تھی۔ ایک رات دو بجے جب بابا صاحب اس کے ذمہ پر پہرہ دے رہے تھے، اچانک کیٹین اچانک معائنے کے لئے آگیا۔ بابا صاحب کو تنہا ہی پہرہ دیتے دیکر وہ اس پر تو نصیحت فرلانگ کے خاصے پر ایک چھوٹی سی مسجد کے پاس سے گزرا۔ مسجد کا صحن چاندنی رات میں صاف نظر آ رہا تھا۔ کیٹین نے دیکھا کہ وہ جس سپاہی کو پہرہ دیتے دیکھ کر آیا ہے وہ خوشوے و خضوع کے ساتھ صحن مسجد میں نماز ادا کر رہا ہے۔ سپاہی کو ڈیوٹی سے غفلت برستے دیکھ کر اسے سخت غصہ آیا۔ وہ اس کے خانے واپس آیا۔ اس کے قدموں کی چاب سُن کر سپاہی پکارا "ہالٹ" کیٹین آگے بڑھا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ سپاہی (بابا صاحب) اپنی جگہ پر موجود ہے۔ کچھ کہے بغیر اس نے مسجد کا رخ کیا جہاں وہ سپاہی کو نماز میں مشغول دیکھ چکا تھا۔ وہ یہ دیکھ کر ششدر رہ گیا کہ بابا صاحب اسی طرح محویت کے عالم میں مصروف عبادت ہیں۔ وہ ایک بار پھر تقدیر کے لئے اس کے خانے پہنچا تو بابا صاحب کو ڈیوٹی پر موجود پایا۔ دوسری بار مسجد جا کر دیکھا تو وہی منظر سامنے تھا۔

دوسرے روز اس نے اپنے بڑے افسر کے سامنے بابا صاحب کو طلب کر کے کہا۔ ہم نے تم کو رات دو بجے دیکھا ہے۔ ہم سمجھتا ہے کہ تم خدا کا کوئی خاص بندہ ہے۔ یہ سننا تھا کہ بابا تاج الدین کو جلال آگیا۔ سرکاری دروی اور دوسرا سا کیٹین کے سامنے لا کر رکھا اور اپنے مخصوص مدر کی لہجہ میں فرمایا۔

"لو جی حضرت! اب دو دو نوکریاں نہیں کرتے جی معرفت!" یہ کہہ کر بابا صاحب جذب و جلال میں فوجی احاطے سے باہر نکل آئے۔ کلائی میں

رشتہ داروں کو یہ اطلاع دی گئی کہ بابا صاحب پر ہاگل پن کا دورہ پڑ گیا ہے اور انہوں نے ملازمت چھوڑ دی ہے۔ نانی بے تاب ہو کر ساگر آئیں اور دیکھا کہ نواسے پر بے خودی غاری ہے۔ وہ بابا صاحب کو کاسٹی لے گئیں اور دوائی مرعش بھیج کر ان کا علاج شروع کیا۔ لیکن کوئی مرمن ہوتا تو علاج کارگر ہوتا۔ چار سال تک بیلانج الدین پر جذبہ و استغراق کا شدید غلبہ رہا۔ لوگ ان کو مجنونا لکھ اس سمجھ کر چھپرٹے اور تنگ کرتے تھے لیکن کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو مجذوبانہ کیفیات میں برہنہ کے اشارے اور ولایت کا رنگ دیکھ کر بابا صاحب کا احترام کرتے تھے۔

**نسبت فیضان** | اس بات کا کوئی سراغ نہیں ملتا کہ بابا تاج الدین نے کسی کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ معتبر ذرائع بھی اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ اس عالم رنگ و بو میں آپ کا پیرو مرشد کوئی نہیں تھا۔ پھر بھی دو ہستیوں ایسی ہیں جن سے صرت قربت اور نسبت ثابت ہے۔ ایک سلسلہ قادریہ کے حضرت عبداللہ شاہ قادریؒ، دوسرے سلسلہ چشتیہ کے بابا داؤد مکیؒ۔

حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ وہی بزرگ ہیں جو بابا صاحب کے زمانہ تعلیم میں کتب لکے تھے اور استاد کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ یہ لڑکا (بابا تاج الدین) پڑھا پڑھا ہے، اسے پڑھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ شاہ قادریؒ کا فراموشی اسٹیشن کے پاس ہے۔ نوجوانی کے زمانے میں بابا تاج الدین حضرت عبداللہ شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ حضرت عبداللہ شاہ کے سجادہ نشین کی ریوڑ کے مطابق جب حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ کے وصال کا وقت قریب آیا تو بابا تاج الدین ان کے پاس آئے۔ اس وقت شربت بنا کر شاہ صاحب کی پیش کیا گیا۔ انہوں



چند گونٹ پی کر باقی بابا صاحب کو ملا دیا۔

بابا داؤد مکیؒ کو خواجہ شمس الدین ترک پانی پتیؒ کے خلیفہ تھے اور خواجہ شمس الدین ترکؒ کو محمد دوم علاء الدین علی احمد صاحب کبیرؒ سے خلافت ملی تھی۔ بابا داؤد مکیؒ تشریف کے حکم پر ساگر آئے اور سبب وصال فرمایا۔ ان کا بظاہر کوئی خلیفہ نہیں تھا۔ بابا داؤدؒ کے وصال کے کوئی چار سو سال بعد حبیب بابا تاج الدینؒ فوجی ملازمت کے سلسلے میں ساگر گئے تو آپ نے بابا داؤد مکیؒ کے مزار پر تقریباً دو سال ریاضت و مراقبہ میں گزارے۔ روایت کے مطابق یہی بابا صاحبؒ کو چشتیہ نسبت اویسیہ طریقے پر منتقل ہوئی۔ اویسیہ نسبت وہ نسبت یا رابطہ ہے جس کے تحت سالک کو کسی بزرگ کی روح سے فیض حاصل ہوتا ہے۔ یعنی ایسا فیض جو مرشد کے جسمانی طور پر سامنے نہ ہوتے ہوئے بھی اس سے منتقل ہو۔ یہ وہی نسبت ہے جس کے تحت حضرت اویس قرنیؒ کو سرکارِ دو عالم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے علوم اور فیوض حاصل ہوئے تھے۔ قلندر بابا اویسؒ فرماتے تھے کہ بابا تاج الدینؒ کو حضرت عبداللہ شاہؒ کی قربت حاصل ہوئی تھی اور نسبت چشتیہ بابا داؤد مکیؒ کے مزار پر منتقل ہوئی تھی۔ لیکن بابا صاحبؒ کی تعلیم و تربیت خود جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علیؑ، حضرت اویس قرنیؒ نے کی ہے۔ نیز بابا صاحبؒ کو ہر سلسلے کے اکابر اویسؒ، اللہ کی ارواح سے فیض حاصل ہوا ہے۔ بابا تاج الدینؒ کے کئی ارشادات میں اویسیہ فیضان کی طرف اشارہ موجود ہے۔

بابا صاحبؒ اپنی ولایت کے رنگ اور نسبت کو اکثر یہ کہہ کر بھی ظاہر کرتے تھے کہ  
— ہمارا نام تاج محمدی الدین، تاج معین الدین ہے۔



# شجرہ چشتیہ

حضرت نور کائنات محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ اہل بیت علیہ السلام

حضرت علیؑ

حضرت حسن بصریؒ

حضرت عبدالواحد زیدؒ

حضرت فیصل بن یحییٰؒ

حضرت ابراہیم ادمؒ

حضرت خواجہ سید الدین غلام فریدؒ

حضرت بشیرۃ البصریؒ

حضرت مشاد دینوریؒ

حضرت ابوالحسن شامیؒ

حضرت ابو احمد ابدالؒ

حضرت ابو محمد ابدالؒ

حضرت ناصر الدین ابویوسفؒ

حضرت قطب الدین بودو چشتیؒ

حضرت حاجی شریف زبیدیؒ

حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ

حضرت خواجہ حسین الدین چشتی اجمیریؒ

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ

حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ

حضرت خاندان غلام الدین صابریؒ

حضرت خواجہ شمس الدین ترک پانی پتیؒ

حضرت بابا داؤد دکنیؒ

بطریق اولیسیہ

حضرت بابا تاج الدین

اولیاء

# شجرہ قادریہ

حضرت سرور کائنات محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ اہل بیت علیہ السلام

حضرت علیؑ

حضرت امام حسینؑ

حضرت امام زین العابدینؑ

حضرت امام محمد باقرؑ

حضرت امام جعفر صادقؑ

حضرت امام موسیٰ کاظمؑ

حضرت امام علی رضاؑ

حضرت سعید کرمیؒ

حضرت شیخ حسن الدینؒ

حضرت ابوالحسن سرہندیؒ

حضرت جنید بغدادیؒ

حضرت ابوبکر شبلیؒ

حضرت عبدالواحد بن عبدالعزیزؒ

حضرت ابو الفرج یوسف طوسیؒ

حضرت ابوالحسن علی ہنکاریؒ

حضرت ابوسید مبارک عمریؒ

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

حضرت عبدالعزیزؒ

حضرت سید محمد التاکؒ

حضرت سید شمس الدینؒ

حضرت سید شریعت الدینؒ

حضرت سید زین الدینؒ

حضرت سید ولی الدینؒ

حضرت سید نور الدینؒ

حضرت سید حمام الدینؒ

حضرت سید فہر الدینؒ

حضرت سید محمود ورنیشؒ

حضرت سید قادریؒ

حضرت عبدالخلیلؒ

حضرت سید عبدالرشید شاہؒ



حضرت بابا تاج الدین اولیاءؒ

● حضرت سید عبدالرشید شاہؒ نے بابا تاج الدینؒ کو جن کی کوکھ کی کن اولاد نے دھواں کے وقت شربت پیا تھا۔



بابا صاحب کبھی یہ بھی فرماتے :

ہمارا نام تاج الماریا، تاج الملک والدین، شہنشاہ ہفت اقلیم، سید محمد

بابا تاج الدین ہے۔

**پاگل جنرپٹری**

فوج کی ملازمت کو خیر باد کہنے کے بعد بابا تاج الدین کا مٹی میں رہنے لگے تھے۔ اس زمانے میں جذب و بخودی عروج پہنچی۔ لوگ آپ کے استغراق کو پاگل پن سے تعبیر کرتے لیکن کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے جن کی بنا پر لوگوں میں آپ کی شخصیت ایک صاحب کرامت اور صاحب فیض کی حیثیت سے اُبھرنے لگی۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے پریشان حالوں اور عقیدت مندوں کا جھوم آپ کے گرد رہنے لگا۔ لوگ ہر وقت آپ کو گیرے رہتے اور اپنی مشکلات بیان کرتے۔ یہ سلسلہ آٹا بڑھا کر رات دن ایک ہو گیا۔ ایک روز بابا تاج الدین نے فرمایا۔

”لوگ! میں بہت ستاتے ہیں۔ اب ہم پاگل جنرپٹری چلے جائیں گے۔“

چنانچہ خود بخود ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ آپ کو ناگ پھوس کے پاگل خانے میں داخل کر دیا گیا۔ تاریخ داخلہ ۲۶۔ اگست ۱۸۹۲ء مہی۔

بابا صاحب نے اس پاگل خانے کو ولی خانے میں تبدیل کر دیا۔ اور جلد ہی پاگل خانے کے منتقلین اور ڈاکٹر سمجھ گئے کہ پاگل خانے میں دار دہونے والی یہ ہستی مقبول بارگاہ الہی ہے۔ پاگل خانے کے سپرنٹنڈنٹ ڈاکٹر عبد المجید اور ڈاکٹر کاشی ناتھ راؤ آپ کو بہت عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور ان کے بستر کی صفائی اور خورد و نوش کا انتظام بذات خود کرتے تھے۔

پاگل خانے کے قیام کے زمانے میں بابا تاج الدین پر جذب و استغراق کا غلبہ کم ہو گیا۔ اور آپ اکثر شعوری حالت میں رہنے لگے۔ شعوری حالت میں بھی ان سے اس تواتر اور تسلسل سے کرامات کا ظہور ہوتا تھا کہ گویا وہ ان کے نزدیک غرقِ حالت نہیں بلکہ معقول ہے۔

ایک شام مقررہ وقت پر بابا تاج الدین کو ان کے کمرے میں پہنچا کر مقل کر دیا گیا۔ اور پاگل خانے کا صدر دروازہ بھی بند کر دیا گیا۔ اگلی صبح محاکفانے صدر دروازہ کھولا تو بابا تاج الدین باہر سے اندر آنے کے منظر کھڑے تھے۔ محاکف بابا صاحب کو باہر دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ فوراً منتقلین اور ڈاکٹر کو اطلاع دی۔ وہ لوگ فوراً آئے اور بابا تاج الدین کو ساتھ لے کر ان کے کمرے کے پاس پہنچے۔ کمرے کا دروازہ ہنوز مقفل تھا۔ وہ لوگ پہلے ہی سمجھ چکے تھے کہ بابا تاج الدین ایک عام آدمی نہ تھے۔ اس لئے انہوں نے اس وقت کمرہ نہیں کھلا۔ لیکن ان کی عقیدت میں مزید اضافہ ہو گیا اور اس غیبی معمولی واقعے کا چرچا پورے ناگ پور میں عام ہو گیا۔ پھر تو لوگ عرق و جرق زیارت کے لئے حاضر ہونے لگے۔

اس کے بعد بابا صاحب اکثر صبح کے وقت باہر سے تشریف لاتے اور اپنے کمرے کے پیچہ لان پر پڑی ہوئی کرسیوں اور بچوں میں سے کسی ایک پر بیٹھ جاتے۔ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اپنے مسائل کا حل چاہتے۔ بابا صاحب ان کے مسائل کا حل بتاتے۔

پاگل خانے میں بابا صاحب کی خدمت میں عوام و خواص کی آمد و رفت اتنی روز افزوں تھی کہ حکومت نے ملاقاتی فیس مقرر کر دی۔ کچھ دنوں بعد یہ ملاقاتی فیس ختم



کر دی گئی۔ بابا صاحب کے دربار میں چھوٹے بڑے، امیر غریب، حاکم محکوم سب حاضری دیتے تھے۔ ان میں سرانٹونی بیکڈ وڈ ٹیچٹ کشر کی بیوی دربار، سول سرجن کرنل منڈا، ایس پی پولیس موتی ٹیڈیشلی، اسٹنٹ کشر خاں بہادر ولایت اللہ خاں وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

اس زمانے میں شکر درا، واکی اور بہت سے علاقے مرہٹہ راجا رگھو جی راؤ کی ملکیت تھے۔ اس کا حالی شان محل اور اس سے متصل کئی میل لمبا باغ شکر درا میں تھا۔ راجا رگھو راؤ کے بیٹے ونا بک راؤ کی رانی حاملہ تھی۔ وضع حمل کا وقت قریب آیا لیکن پیدائش محل میں نہیں آئی۔ موقع پر موجود سرجن اور لیڈی ڈاکٹروں کی ہر ممکن کوشش کے باوجود کیلیانی نہیں ہوئی۔ رانی ٹیچٹ سے بے ہوش ہو گئی اور شام تک اس کی حالت میں کوئی امید افزا تبدیلی ظاہر نہیں ہوئی۔ شام کو ڈاکٹروں نے مشورہ کیا اور متفقہ فیصلہ دے دیا کہ بچے کی موت واقع ہو چکی ہے اور اگر آپریشن کے ذریعے بچے کو باہر نکالا گیا تو رانی کی موت واقع ہو جانے کی۔

راجا رگھو جی راؤ ڈاکٹروں کے اس فیصلے سے تذبذب میں پڑ گئے اور ان کے ذہن نے اس بات کو قبول نہیں کیا۔ صبح چھ بجے راجا رگھو جی پوجا سے فارغ ہوئے تھے کہ ان کا موٹر ڈرائیور حاضری خدمت ہوا اور اس نے کہا۔

”محضور! میں جو کچھ کہتا ہوں اس پر عمل کیجئے۔ آپ میرے ساتھ پاگل خانے چلیے وہاں ایک بہت بڑے ولی اللہ قشر تعبت فرما ہیں۔ سب لوگ ان سے فیض اٹھا رہے ہیں۔ آپ بھی چھوٹی رانی کے سلسلے میں ان کی خدمت میں عرض کیجئے۔“

راجا رگھو جی راؤ اسی وقت اٹھے اور نیلگے پر موٹر میں سوار ہو گئے۔ اور ڈرائیور رکھنے

تیسرے زخاری سے گاڑی چلاتا ہوا پاگل خانے کے صدر دروازے پر جا رکھا۔ پاگل خانے کے منتظرین اور سپرنٹنڈنٹ کو راجہ صاحب کی آمد کا علم ہوا تو وہ فوراً بھاگے ہوئے استقبال کو آئے۔ ڈرائیور نے راجہ صاحب کو وہیں موٹر کے پاس رکنے کو کہا اور خود لان میں حضرت بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کیا۔

”محضور! شکر درا اسٹیٹ کے راجا رگھو جی راؤ حاضری خدمت ہونے کی اجازت اور مستدم بوسی کی سعادت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔“

بابا صاحب نے فرمایا۔ ہم فقیر جی حضرت، ہمارے سے راجہ کا کیا کام جی حضرت ڈرائیور نے بہت بہت سماجت کی تو بابا صاحب خاموش ہو گئے۔ خاموشی کو اجازت سمجھ کر وہ دوڑا ہوا راجہ رگھو جی راؤ کے پاس پہنچا اور کہا۔

”غوراً چلیے اور محضور بابا صاحب کے قدم پر لے لیجئے۔“

راجہ جلدی سے اندر پہنچا اور بابا صاحب کے پیروں پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گیا۔ بابا صاحب نے اس کو ایک نظر دیکھ کر تسر مایا۔

”اُدھر کیا کرتے جی حضرت! اُدھر جانا، اڑا کا پیدا ہوا تو خوشیاں منانا! ڈرائیور محضور بابا صاحب کا بہت محققہ تھا، اور اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ وہ بابا صاحب کے مخصوص لب و لہجہ سے بخوبی واقف تھا۔ اس نے راجہ سے کہا۔“

”راجہ صاحب! اس کام ہو گیا۔ واپس چلیے۔“

اس کے ساتھ ہی اس نے گھڑی دیکھ کر وہ وقت نوٹ کر لیا جس وقت بابا صاحب نے متذکرہ بالا جملے ادا کئے تھے۔



واپسی میں راجہ رگوجی راؤ کی موٹر محل کے صدر دروازے کے قریب پہنچی تو انہیں شہنائیوں اور نفیس رویوں کی آواز سنائی دی۔ آنے جانے والے ملازمین کے چہروں پر خوشی کے آثار نظر آرہے تھے اور وہ سب ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہے تھے۔ موٹر کے رکنے ہی سب لوگوں نے راجہ کی موٹر کو گھیر لیا اور کنور صاحب کی پیدائش کی خوش خبری سنائی۔

راجہ بہ خیر سنکر خوشی سے بے خود ہو گیا۔ اور حکم دیا کہ خزانے کا منہ کھول دیا جائے۔ ڈرائیور نے راجہ سے کہا۔

”سرکار! پنڈتوں سے جو کنور صاحب کی جنم پتری اور جنم کنڈلی بنائیں گے اور ڈاکٹروں سے پیدائش کا صحیح وقت معلوم کرادیجئے“

پنڈتوں اور ڈاکٹروں نے جو وقت بتایا وہ بالکل وہی تھا جس وقت جنور بابا صاحب نے فرمایا تھا۔ اور کہا کہ آج ہی حضرت! آدھر جانا، لڑکا پیدا ہوا تو خوشیاں منانا۔

**شکر درمیں قیام** | بابا تاج الدین کی کرامت دیکھ کر راجہ رگوجی راؤ ان کا گردن ہو گیا۔ اور بابا صاحب کی محبت و عقیدت

اس کے دل میں گھر گئی۔ چیفت کمشنر ناگ پور کی وسالت سے ضمانت دے کر ستمبر ۱۹۴۷ء میں بابا صاحب کو پاگل خانے سے شکر درہ اپنے محل میں لے آیا۔ راجہ بابا صاحب کو ایک مجلس کی شکل میں اپنے محل میں لے آیا۔ جلوس میں ہر مذہب و ملت کے لوگ شریک تھے۔ راجہ رگوجی بابا صاحب کو ساتھ لے کر ایک ہاتھی پر سوار تھا۔ اس کے آگے بچے سجائے گھوڑوں اور اونٹوں کی قطاریں تھیں اور جلوس کے آگے آگے شاہی

بینڈ نغمہ سرائی کرتا ہوا چل رہا تھا۔ راستے کے دونوں طرف لوگوں کا ہجوم موجود تھا اور لوگ اپنی محبت و شفقت کی مظاہرے میں پھول پٹھان کر رہے تھے۔

راجہ رگوجی راؤ نے اپنے محل کا سیرونی بڑا حصہ جنور بابا صاحب کے قیام کے لئے مخصوص کر دیا اور اب فیض کا چشمہ پاگل خانے کی بجائے شکر درہ کے محل سے جاری ہو گیا۔ دن رات جنور بابا صاحب کے اطراف لوگ موجود رہتے۔ بابا صاحب اپنے مخصوص انداز میں ان سے مخاطب ہوتے اور شکر و صبح کی ملی جلی کیفیت میں جواب دیتے جنہیں مختلف انداز فوراً سمجھ جاتے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ بابا صاحب کوئی ذکر فرماتے یا کسی کا نام لیتے اور اس کے متعلق کچھ کہتے اور کچھ دیر بعد وہ شخص حاضر ہوتا اور بالکل وہی باتیں کرتا جس کا انکشاف بابا صاحب پہلے ہی کر چکے ہوتے تھے۔

**داکی میں قیام** | کچھ عرصہ شکر درہ میں راجہ رگوجی کے پاس رہ کر بابا تاج الدین داکی چلے گئے۔ یہاں آپ کا شی ناتھ پٹیل کے پاس ٹھہرے۔ کا شی ناتھ نے بابا صاحب کی خدمت میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی اور اس بات کی ہر ممکن کوشش کی کہ بابا صاحب کو بے آرامی نہ ہو۔

اب لوگوں کا رخ داکی کی طرف ہو گیا۔ جہاں بابا صاحب بیشتر وقت میدانوں اور جنگلوں میں گزرتے تھے۔ بابا صاحب لبا کرتا پینے، ننگے پیر گھومتے رہتے اور لوگ ساتھ ساتھ چل کر عرض پیش کرتے۔

داکی میں بابا صاحب کی قیام گاہ سے دو فرلانگ کے فاصلے پر آم کا ایک دشت تھا۔ بابا صاحب اس مقام کو شفا خانہ کہتے تھے۔ مایوس العلان مرضی ہاں آکر ٹھہرتے تھے۔ بابا صاحب خود بھی آنے والے مریضوں کو شفا خانے میں رکے کا مفہم



دیتے تھے۔

شفا خانے کے قریب ایک جگہ کو بابا صاحب نے مدرسہ قرار دیا تھا۔ جو طالب علم دعایا فہم و فراست میں اضافہ کئے دربار تاج الادلہ میں حاضر ہوتے، بابا صاحب انہیں مدرسہ میں قیام کا حکم دیتے۔ آج بھی لوگ حافظہ کی صلاحیت اور دماغ کی تیزی کے لئے مدرسہ میں ٹھہرتے ہیں۔

بابا صاحب نے اپنی جائے قیام کے پاس ایک جگہ کو مسجد کا نام دیا تھا۔ بابا صاحب جہاں بھی گئے ایک نہ ایک مقام کو مسجد مقرر فرما دیا۔ منتر لہال اور شکوک و شکوکوں میں گرفتار انسان کو بابا صاحب "مسجد" میں نماز کا حکم دیتے تھے۔

داکی کے دوران قیام بھی راجہ رگوجی پابندی سے بابا صاحب کی خدمت میں آتے تھے اور ان کی خدمت کو اپنے لئے سب سے بڑا سرمایہ سمجھتے تھے۔ راجہ صاحب کا اخلاص اور ان کی نیازمندی ایک بار پھر بابا تاج الدین کو شکر درہ کھینچ لے گئی۔

شکر درہ میں بابا صاحب راجہ رگوجی کے محل میں ٹھہرے۔ راجہ کا محل ناگپور ایشین سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ مرکزی سڑک سے ایک چھوٹی سڑک راجہ کے محل کو جاتی ہے۔ اس سڑک کے دونوں کنارے چھوٹی گلیوں میں بابا صاحب کے خدمت گزار اور فیض یافتگان رہتے تھے جنہیں عرف عام میں بابا صاحب کے بچے کہا جاتا تھا۔ یہ بابا صاحب کی شخصیت تھی جس نے شکر درہ کو ایک شہر کی مانند بنا دیا تھا اور یہاں ہر وقت لوگوں کا میلہ سا لگتا تھا۔





بابا تاج الدین وقت اور محول کے پابند نہ تھے۔ واک کا زائد قیام ہو یا شکرورہ کا دور سکونت۔ لوگ دیکھتے کہ بابا صاحب ابھی ندی کے کنارے بیٹھے ہوئے ہیں تو کچھ دیر بعد جنگل میں کسی درخت کے نیچے نشر لیت فرما ہیں۔

شکرورہ میں صبح چار بجے بابا صاحب کی خدمت میں چائے پیش کی جاتی اور اس وقت سے لوگ آپ کے گرد جمع ہونا شروع ہو جاتے۔ بابا صاحب کبھی چائے پی لیتے، کبھی کسی کو دے دیتے۔ کبھی کچھ پی کر باقی حاقرین کو عنایت کر دی جاتی۔ دن نکلنے کے بعد بابا صاحب اکثر محل سے باہر نکلتے۔ شکرورہ محل کے باہر دوکان دار، راجا کے نوکر اور زائرین اپنے اپنے کاموں میں مشغول رہتے لیکن ان کی منتظر نظریں ہوتی تھیں۔ وقت سے محل کے دروازے کی طرف اٹھ جاتیں اور جوں ہی بابا صاحب محل سے باہر کرتے، ایک شور مچتا ہوتا کہ بابا صاحب آ رہے ہیں۔ مٹھائی والے مٹھائی لے کر دوڑتے، پھول والے بگڑے اٹھا کر بھاگتے اور زائرین بابا کے پیچھے پیچھے چل پڑتے۔ محبتیں بھول چھا دے کرتے رہتے۔ کوئی بڑھ کر بگڑے میں ڈال دیتا۔ بابا صاحب چلتے چلتے کسی مقام پر بیٹھ بھی جاتے۔ لوگ بھول اور مٹھائی پیش کرتے، کوئی نذر پیش کرتا۔ بابا صاحب بڑبڑاتے ہوئے سائلین کو جواب دیتے رہتے۔ ہجوم کی وجہ سے بابا صاحب کا شفقت بھرا لہجہ کبھی کبھی پیار بھری ڈانٹ میں تبدیل ہو جاتا۔ غصا ہو کر مار بھی دیتے لیکن فدا بین چھپا نہیں چھوڑتے تھے۔

بابا صاحب کبھی شہر کی طرف جاتے اور کبھی جنگل کا رخ کرتے۔ جنگل کی طرف پیدل بھی چل دیتے لیکن اکثر سواری پر جاتے تھے۔ سواری کے لئے سلی گاڑی یا ناگ

ساتھ ہوتا تھا۔ لیکن زیادہ تر نانگے میں سفر کرتے تھے۔ بابا صاحب محل سے نکل کر جب دور تک پیدل چلے جاتے تو لوگ کوشش کرتے کہ کسی طرح بابا صاحب ناگے میں سوار ہو جائیں۔ ایسا بھی ہوتا کہ بابا صاحب خود سواری طلب کرتے۔ ہیراغل نامی کوچران ناگے حاضر کرتا۔ نانگے کے گھوڑے کا نام بابا صاحب نے بہادر رکھا تھا۔ بابا صاحب نانگے میں سوار ہو جاتے تو ایک پہلوان سامنے اور ایک پائیدان پر بیٹھ کر ساتھ جاتے تھے۔ بہادر گھوڑا بابا صاحب کے اشارے کا منتظر رہتا تھا۔ جوں ہی بابا صاحب کی زبان سے نکلتا "بڑھاؤ" گھوڑا خود ہی سرپٹ دوڑنے لگتا۔ کوچران کو باگیں کھینچنے اور دیس یا بایں اشارہ دینے کی اجازت نہ تھی۔ بہادر از خود ٹکڑوں اور جنگلوں کے راستوں پر دوڑتا رہتا۔ جیسے ہی ناگے شکرورہ سے نکلتا، زیارت و قدم بوسی کے لئے لوگوں کا ہجوم ہو جاتا۔ اور ہجوم کے اکثر لوگ نانگے کے ساتھ دوڑتے رہتے۔ بابا صاحب شہر کا گشت کرتے کسی کسی جگہ گاڑی رکوا کر لوگوں سے ملاقات کرتے تھے۔ ہر جگہ رکنے میں کوئی رمز پوشیدہ ہوتا تھا۔ اکثر دور سے آئے ہوئے لوگ جو بابا صاحب سے ملاقات کے متمنی ہوتے تھے اور ملاقات کا موقع حاصل نہیں ہو پاتا تھا، بابا صاحب ان سے ملتے تھے۔ ایسا بھی ہوتا کہ کہیں رُک کر مصیبت زدوں اور پریشان حالوں کو تسلی دیتے۔

بابا صاحب پیدل جنگل کا رخ کرتے تو لوگ کھانا اور چائے لے کر ساتھ جاتے۔ بابا صاحب اکثر دوپہر کا کھانا جنگل میں کھاتے تھے۔ کبھی خود طلب کرتے اور کبھی وقت ہونے پر لوگ پیش کرتے۔ ہر شخص اپنا توشے دان کھول کر بابا صاحب کے سامنے پیش کرتا۔ بابا صاحب کسی توشے دان میں سے کچھ کھا لیتے اور باقی کھانا زائرین



میں تقسیم ہو جاتا۔ بابا صاحب وال چاول شوق سے کھاتے تھے اور کبھی کبھی شہر چڑھتے۔  
 وال چاول اسپیشل کا پھول یہ نہ لکھایا تو ریشی ڈھول  
 جنگل میں کئی کئی دن قیام رہتا۔ کبھی کسی گاؤں میں چلے جاتے اور کبھی گاؤں سے  
 باہر ہی رہتے۔ لوگ جنگل میں بھی بابا صاحب کے ساتھ مقیم رہتے۔ دربار تاج الاولیاء  
 کے آداب میں یہ بات شامل تھی کہ کوئی بغیر اجازت واپس نہیں جاتا تھا۔ بعض لوگوں  
 کو ملاقات کے بعد ہی جانے کی اجازت مل جاتی اور بعض ہفتوں وہاں رہتے۔ حاضرین  
 دور یا موسم کی سختیاں اور سافرت کے دن برداشت کرتے لیکن جانے کا نام  
 نہیں لینے تھے۔

### انداز گفتگو

بابا تاج الدین کا لب و لہجہ مخصوص تھا۔ آپ مدرا کی لہجہ میں  
 گفتگو کرتے تھے۔ اردو بولنے میں مشکل پیش آتی تھی۔ سوچ  
 کر بولنا پڑتا تھا۔ پھر بھی الفاظ میں کچھ ایسا نہ دہرتا تھا کہ سامعین ان کا مافی الضمیر  
 فوراً سمجھ جاتے تھے۔ بات مختصر اور پُر معنی ہوتی تھی۔ کبھی مثالی زبان میں بات کرتے  
 تھے جس کا مطلب ایک ذہین شخص فوراً نکال سکتا تھا۔ اکثر قرآنی آیات کو  
 گفتگو میں اس طرح استعمال کرتے تھے کہ سائل کے مسئلے کا حل اس میں موجود  
 ہوتا تھا۔

عرف خصوصی مسائل ہی میں نہیں بلکہ عام حالات میں بھی بابا صاحب اپنی  
 گفتگو کے انداز سے مرکزی نقطہ بیان کر جاتے تھے جو براہ راست قانون قدرت  
 کی گہرائیوں سے ہم رشتہ ہیں۔ بعض دفعہ اشاروں ہی اشاروں میں وہ ایسی بات  
 کہہ جاتے تھے جس میں کرامتوں کی علمی توجیہ ہوتی اور سننے والے کی آنکھوں کے

سامنے یکبارگی کراست کے اصولوں کا نقشہ آجاتا۔ کبھی کبھی ایسا معلوم ہوتا کہ ان کے ذہن  
 سے تسلسل کے ساتھ سننے والوں کے ذہن میں روشنی کی لہریں منتقل ہو رہی ہیں اور ایسا  
 بھی ہوتا کہ وہ بالکل خاموش بیٹھے ہیں اور حاضرین ہر وہ بات سن لیں اپنے ذہن میں سمجھتے  
 اور محسوس کرتے جا رہے ہیں جو بابا صاحب کے ذہن میں اس وقت گشت کر رہی ہے۔  
 بابا صاحب چلے پھرتے، اسٹپے بیٹھے، انگاہے پر گاہے کچھ بول دیتے۔ عام  
 آدمی ان جملوں کو بے ربط بات سمجھ کر قابل توجہ نہیں سمجھتا تھا۔ لیکن اس میں کسی کے  
 سامنے کامل سوال کا جواب یا کسی کلمہ کی وضاحت پوشیدہ ہوتی تھی۔

### رحمت و شفقت

اگر بابا تاج الدین کی معروضیات کو چند الفاظ میں سمیٹا  
 جائے تو یہ کہا جاسکے گا کہ آپ کا ہر لمحہ مخلوق خدا کے  
 لئے وقف تھا۔ آپ چند گھنٹوں سے زیادہ نہیں آرام کر پاتے تھے۔ باقی وقت لوگوں  
 کی غرض سے یہاں تک کہ کھانے پینے کے اوقات بھی نظر انداز ہو جاتے۔ رات دن  
 حاجت مند اور پریشان حال آتے رہتے۔ بابا صاحب اپنے مخصوص انداز میں انہیں  
 تسلی دیتے اور مشکل کے حل کی طرف اشارہ فرماتے۔ بابا صاحب کی ہستی لوگوں کے  
 لئے لطف و محبت اور کرم نوازی کا ایسا ذریعہ تھی جس کے آگے انہیں ہر تکلیف اور  
 صعوبت بچ محسوس ہوتی تھی۔ بابا صاحب ڈھارس بندھاتے تو انہیں ایسا اطمینان  
 مل جاتا جو کسی مادی ذریعے سے ملنا ممکن نہیں۔ دل کے بوجھوں کو دور ہو جاتے جیسے  
 کسی انجانے ہاتھ نے غم کے پہاڑ سینے پر سے ہٹا دیئے ہوں۔

آخری زمانے میں جب بابا صاحب کی صحت گر گئی تھی اور کمزوری کی  
 وجہ سے بیٹھنا مشکل ہو گیا تھا۔ اس وقت بھی لوگوں کے معاملات سامنے اور جواب دینے



میں دل بپی لیتے رہے۔ حالت جلال ہو یا جمال کبھی کسی کو بابا صاحب کی ذات سے تکلیف نہیں پہنچی۔ بارہا دیکھا گیا کہ لوگ رنجیدہ آئے اور خوش و خرم واپس گئے۔ بابا صاحب بعض اوقات هجوم میں گھر جاتے تو بلند آواز سے فرماتے تم سب جاؤ۔ تمہارے کام ہو گئے۔" لوگ مطمئن واپس جاتے اور اللہ تعالیٰ ان کے کام نہادیتا۔ بابا صاحب کے پاس زمانے کے ستارے ہوئے بھی آتے، حالات کے مارے بھی آپ کے درکار رخ کرتے، خطا کا رسمی احساس گناہ لے کر حاضر ہوتے۔ ایسے لوگ بھی دربار تاج الادب میں آتے جو امارت کے باوجود پریشان حال ہوتے اور ایسے بھی سنسریاد کٹنا ہوتے جن پر مغرب ایک بوجھ بن گئی ہوتی۔ بابا صاحب بلا امتیاز امیر و غریب، خطا کا رو پاک باز سب کی غنیمت و فرباد سنستے۔ ایک بار ایک طوائف بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئی اور گاکر کہا کہ

اچھے رہیں نزدیک برسے جائیں کدھر کو

اے رحمتِ خدا! تجھے ایسا نہ چاہیے

یہ سنکر بابا صاحب نے اس سے کہا کہ

اچھے اُدھر کو جائیں، آئیں برسے اُدھر کو

اے رحمتِ خدا، تجھے ایسا ہی چاہیے

ایک لڑکا پیدائشی معذور تھا۔ نہ بول سکتا تھا اور نہ ہاتھ پیر مل سکتا تھا۔ والدین نے حتی الامکان علاج کرایا لیکن فائدہ نہ ہوا۔ وہ لڑکے کو شکر و رچھوڑ کر چلے گئے۔ کچھ دیر بعد بابا صاحب اندر سے باہر تشریف لائے اور معذور لڑکے کے پاس پہنچ کر کھانا طلب کیا۔ لوگوں نے فوراً کھانا پیش کیا۔ آپ نے اپنے ہاتھوں سے

اُسے آدھ گھنٹے تک لقمہ لقمہ کر کے کھانا کھلایا، اپنے ہاتھوں سے پانی پلایا اور ایک آدمی اس کی خدمت کے لئے مقرر کر دیا۔ بابا صاحب کے طرز میں کاشیہ نہ کھلا کہ دربار میں حاضر ہونے والے لوگ اس لڑکے کی خدمت اپنے لئے عزت کا باعث سمجھنے لگے اور وہ لڑکا جب تک زندہ رہا کبھی کسی تکلیف میں مبتلا نہ ہوا۔

ایک دفعہ بابا تاج الدین قصبہ پٹن ساؤنگی کی گیلوں سے گزر رہے تھے اور جلوس کے ساتھ سینکڑوں لوگ موجود تھے۔ آپ نے دیکھا کہ ایک لڑکے نے ہرنے مکان میں ایک بوڑھیا اور بوڑھا جو آپس میں رہے ہیں۔ مگر صفت و ناتوانی کی بنا پر کچھ چلانے میں دقت برہم ہے۔ بابا صاحب ٹانگے سے اتر کر مکان میں گئے اور خود آٹا پیسے لگے۔ بخوری دیر میں تمام جوار میں کر آٹا ان کے حوالے کیا اور وہاں سے روانہ ہو گئے۔

ایک رات بابا صاحب کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا۔ تو انہوں نے فرمایا پہلے ہمارے مہمان کو کھلاؤ جو درخت کے نیچے ٹھہرا ہوا ہے۔ تب میں کھاؤں گا۔ لوگوں نے کئی جگہ دیکھا مگر کسی ایسے شخص کو پانے میں ناکام رہے جس پر بابا صاحب کے الفاظ صادق آتے ہوں۔ بابا صاحب سے دوبارہ کھانے کی درخواست کی گئی تو وہی جواب ملا کہ پہلے ہمارے مہمان کو کھلا کر آؤ۔ لوگ ایک دفعہ پھر تلاش میں نکلے۔ ایک درخت کے نیچے کوئی صاحب بیٹھے نظر آئے۔ لوگوں نے ان کا حال پوچھا تو پتہ چلا کہ کسی دور دراز جگہ سے مغلی کے عالم میں آئے ہیں اور بابا صاحب سے ملاقات کا اشتیاق رکھتے ہیں۔ یہ سن کر لوگوں نے کہا کہ بابا صاحب نے آپ کے لئے کھانا بھیجا ہے۔



ایک بار بابا صاحب گھومتے ہوئے ڈگری کی طرف گئے۔ عبداللہ کھنی نامی شخص کا یہ ذمہ تھا کہ جب بابا صاحب ڈگری کی طرف جاتے وہ ساتھ جانے والے لوگوں کو پانی پلاتے۔ چنانچہ اس دن بھی پانی کا گھڑا ساتھ لے ہوئے ڈگری پہنچے وہاں پہنچ کر بابا صاحب کو پانی پیش کیا تو انہوں نے پانی پینے سے انکار کر دیا۔ کہا گھوڑے کو پلا کر آ، تب پیوں گا۔ قریب ایک فرلانگ دور گھوڑا کھڑا تھا۔ عبداللہ کھنی پانی لے کر گھوڑے کے پاس پہنچے۔ گھوڑا اتنا پیاسا تھا کہ پانچ برتن پانی پی گیا۔ مندرجہ بالا واقعات کے علاوہ سینکڑوں واقعات اس بات پر شاہد ہیں کہ بابا صاحب کی ذات مخلوق خدا کے لئے مجسم شفقت اور محبت تھی اور آپ نے خود کو خدمتِ خلق کے لئے وقف کر رکھا تھا۔

**تعلیم و تلقین** | بابا صاحب دو دنیاوی باتوں پر زور دیتے تھے۔ ایک اللہ تعالیٰ سے تعلق اور دوسرا غلامِ عمل۔ بابا صاحب کو مردم آزاری اور ظلم سمجھنا پسند نہ تھا۔

بابا صاحب کہتے تھے "اللہ اللہ کرتے اچھے رہتے" اللہ تعالیٰ سے رابطہ دین کی رُوح ہے۔ اور صلوة ہو یا ذکر الہی سب اعمال کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ بابا صاحب کا شمار یہ تھا کہ اللہ سے تعلق خاطر ویسا ہونا چاہیے جو ایک بندے اور خالق کے درمیان ضروری ہے۔

خاتمرین دربار کے فکر و عمل کی خامی کو بابا صاحب نہایت لطیف پیرائے میں ظاہر کرتے تھے، اس طرح کہ وہ سمجھ بھی جائیں اور ان کی پردہ پوشی بھی رہے۔ کسی بات کی تلقین فرماتے تو اکثر تمثیلی زبان استعمال کرتے۔

خدا سے رام نامی ایک سو غور و انکی میں بابا صاحب کے پاس آیا۔ تو بابا صاحب نے ایک کڑی اٹھائی اور مارتے ہوئے کہا: بڑا ظالم ہے، مخلوق کو ستاتا ہے۔ پھر فرمایا: سو دینا چھوڑ دے۔ خدا سے رام پرانا اثر ہوا کہ عمر بھر وہ بابا صاحب کے پاس رہا اور سو دی کاروبار چھوڑ دیا۔

ایک پیر صاحب بابا صاحب کے پاس آئے اور عرض کیا کہ حضور! دعا فرمیں کہ مجھے روحانیت میں ترقی نصیب ہو۔

بابا صاحب نے فرمایا: کٹا مار کر لاؤ، ہم دونوں کھاؤں گے۔ بابا صاحب کا اشارہ اس حدیث شریف کی طرف تھا کہ دنیا مَرَدار ہے اور اس کے طالب کتے ہیں۔

مولانا یوسف شاہ صاحب کی ایک درویش سے راہ و رسم پید ہو گئی۔ اور رفتہ رفتہ تعلقات دوستی میں بدل گئے۔ وہ درویش کیمیا جانتے تھے۔ انہوں نے مولانا کو ترکیب بتادی۔ مولانا نے سوچا اگر بابا صاحب اجازت دے دیں تو پرمخت و شفقت کے بہت اچھا ذریعہ آمدنی ہو جائے گا۔ بابا صاحب کے پاس پہنچے تو بابا صاحب رحم نے فرمایا: غلامت کھانا چاہتے ہو؟ مولانا فوراً سنبھل گئے۔

ایک صاحب کو یہ زعم تھا کہ میں بابا صاحب سے تعلق رکھتا ہوں۔ اس لئے کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے، ٹھیک سے بات بھی نہیں کرتے تھے۔ ایک دفعہ بابا صاحب نے ان سے کہا: ہم سے کم کسی کو نہیں سمجھتے۔

اکثر طوائفیں بھی حاضر ہوتی تھیں۔ لوگوں کو یہ بات عجیب دکھائی دیتی تھی لیکن خیر لوگوں کو یہ تھا کہ شاید ہی کوئی طوائف ہو جس کی حالت دربار میں حاضر ہونے کے بعد



بدل نہ گئی ہو۔ طوائفوں کو مختلف پیرائے میں حکم دیتے تھے۔ مثلاً فرماتے تھے: آتاں سواری کے لئے ایک گھوڑا پسند کر لو۔

ایک دفعہ بابا تاج الدین کے چند نامیہ لشکر درہ میں بابا صاحب رحم کی جائے قیام سے کچھ فاصلے پر بیٹھے آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ ایک نے کہا، میں تم سب لوگوں پر فوقیت رکھتا ہوں اس لئے کہ میں ساری جائیداد چھوڑ کر بابا صاحب کی خدمت میں آیا ہوں۔ دوسرے نے کہا، میری مسترابانی تم سے کم نہیں ہے۔ میں تو پوری دکان چھوڑ کر حاضر ہوا ہوں۔ غرض ہر شخص اپنی بڑائی جتارہا تھا۔ اسی لمحہ بابا صاحب محل سے باہر نکلا کر ان لوگوں کے پاس آئے اور بہتر آئی آیت پڑھی۔

ترجمہ: لوگ اسلام لانے کا آپ پر احسان دھرتے ہیں۔ کہہ دو اسے نبی! تم اپنے اسلام لانے کا احسان مجھ پر نہ رکھو۔ یہ تو اللہ کا احسان ہے تم پر کہ تم کو ایمان کی طاعت رہنمائی فرمائی۔ (دپ ۳۶، ۱۲۷)

مختصر یہ کہ جلالی و جمالی کیفیت میں اشاروں، کنایوں اور تمثیلی انداز بیان کے ذریعے حاضرین کو تلقین جاری رہتی اور بنیادی نکتہ یہی ہوتا کہ لوگ حرم و ہوس سے آزاد ہو جائیں اور کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے کسی کو تحفہ پہنچے۔ کسی کبھی تیز و تند لہجہ بھی اختیار کر لیتے۔ ایک دفعہ کسی نے پوچھا کہ بابا آپ لوگوں کو سخت و سست کیوں کہتے ہیں؟ جو اباً فرمایا: بہنیں رسے، میں تو انہیں دُعا دیتا ہوں۔



## کشف و کرامات

انبیاء اور رسولوں سے معجزات کا ظہور ہوا اور ختم نبوت و رسالت کے بعد یہ وراثت ادبیاء اللہ کو منتقل ہوئی۔ علم نبوت کے زیر سایہ جو خرق عادت ادیبانے کرام سے صادر ہوئی وہ کرامت کہلائی۔ ان پاک طینت حضرات سے کرامات کا اظہار بطور مُشدد و ہدایت اور تعلیم و تنبیہ کے ہوا۔

بابا تاج الدین گنا گورہی کی ذات بابرکات کشف و کرامات کے ضمن میں ممتاز و منفرد ہے۔ بابا صاحب کا ذہن فطرت کی قوتوں میں اس قدر جذب تھا کہ آپ سے خرق عادت بطور عادت سرزد ہوتی تھی۔ بابا صاحب کی ذات میں یہ عجیب غریبی بھی دیکھی گئی کہ ان سے کشف و کرامت کا اظہار غیر ارادی طور پر ہو جاتا تھا۔ ارادہ یا ذہن کی قوت استعمال کر کے تعریف کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔

بابا صاحب کا یہی طرز ذہن تھا جس کی وجہ سے ان کے کشف و کرامات کے واقعات اتنے زیادہ ہیں کہ ان کو تفصیل کے ساتھ قلم بند کیا جائے تو کشف و کرامات کا باب ہی ایک الگ کتاب بن جائے گا۔ بابا صاحب کی گفتگو، ان کے اٹھنے بیٹھنے معمولات و مصروفیات سب میں کرامت کے پہلو موجود ہیں۔ اسکی بات کے پیش نظر



کشف و کرامات کے باب میں بابا صاحب کی منتخب کرامات کثرت اور تقرفات کو شامل کیا گیا ہے۔

اب تک بابا تاج الدین سے متعلق جتنے تذکرے شائع ہوئے ہیں ان میں قلندر بابا اویسار کی تصنیف "تذکرۃ تاج الدین بابا" کے علاوہ کسی تذکرے میں اس طرز فکر یا ان قوانین کو سامنے نہیں لایا گیا ہے جن کے تحت کرامات صادر ہوتی ہیں۔ تذکرۃ تاج الدین بابا میں جو کرامات بیان کی گئی ہیں ان کو فیض یافتگان کے باب میں قلندر بابا اویسار کے تذکرے کے ساتھ منسلک کر دیا گیا ہے۔ تذکرۃ تاج الدین بابا کی طرز کو سامنے رکھتے ہوئے ہم نے بابا تاج الدین کی بعض کرامات و تقرفات کے ساتھ ان قوانین کو بھی بیان کیا ہے جن کی بنیاد پر کسی کرامت کا صدور ہوتا ہے۔

بابا تاج الدین کے تذکرے اور کرامات پر مبنی ایک کتاب "تاج قطبی" بابا صاحب کے زمانہ حیات میں شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب کے مصنف قطب الدین صاحب تھے۔ اور سن اشاعت ۱۹۱۱ء تھا۔ ہم کرامات کا بیان "تاج قطبی" کی منتخب کرامات سے شروع کرتے ہیں۔

**آگ**

بابا حضور پاگل خانہ جانے سے پہلے چار سال کا سٹوڈنٹین مقیم ہے یہ اس زمانے کا واقعہ ہے اور یہ بھی پہلا کرم و ولایت ہے۔ ایک رات آپ ایک زرگر کے مکان میں داخل ہوئے اور اس سے ارشاد فرمایا: فوراً مکان سے سامان نکال اور یہاں سے نکل جا۔

اس نے سوچا کہ یہ بزرگ معلوم ہوتے ہیں۔ اگر میں نے ان کے حکم کی تعمیل نہ کی تو شاید کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤں۔ چنانچہ اس نے گھر سے سامان نکال لیا اور کینوں

کو بھی باہر کر دیا۔ اور پھر اس مکان میں آگ بھڑک اٹھی۔ اور مکان جل گیا۔

**مقدمہ** ایک روز آپ کا سٹوڈنٹین حضرت سید صاحب کے مزار کے قریب ٹھل رہے تھے۔ ایک مارواڑی پرکشی نے مقدمہ

دائرہ کر رکھا تھا۔ وہ اس کی پیروی کے لئے کچھ جارا ہاتھ اور پریشان حال تھا۔ آپ اسے دیکھ کر قہقہہ لگا کر ہنسے اور فرمایا: نالش تو خارج ہو گئی۔

اس نے سوچا کہ کچھ جاکر دیکھنا چاہیے۔ جاکر دیکھا تو مقدمہ واقعی خارج ہو چکا تھا۔ وہ صدق دل سے غیر خبیثی کے حاصر خدمت ہوا۔ آپ نے حکم دیا ہم کو کیا دینا ہے؟ بچوں کو تقسیم کر دے۔

کا سٹوڈنٹین اس قسم کے بہت سے واقعات ظہور میں آئے۔ اس کے بعد پاگل خانے میں آپ کی تشریف آوری ہوئی جہاں ایسے بہت سے واقعات ظہور میں آئے۔

**طہا پٹے**

ایک روز ایک پاگل جب دوسرے پاگلوں کے ساتھ کام پر پاگل خانے سے باہر گیا تو محافظ کی نظروں سے بچ کر فرار ہو گیا۔ اور اپنے گھر کی طرف نکل گیا۔ شام کو گشتی کے وقت جب وہ پاگل خانے میں نظر نہ آیا تو اس کی تلاش شروع ہوئی۔ ڈاکٹر عبد الحمید خاں صاحب مرحوم بہت پریشان ہوئے اور ماتحت ملازمین پر خفا ہونے لگے۔ اسی دوران بابا حضور تشریف لائے اور فرمایا: بکوں گھبراتے ہو، وہ کل خود چلا آئے گا۔

چنانچہ دوسرے دن وہ پاگل از خود گیسٹ پر موجود تھا۔ پاگل خانے کے ملازمین نے اسے اندر بلایا۔ اور ڈاکٹر صاحب کو اطلاع دی۔ انہوں نے اگرچہ



پوچھا کہ تو کہاں چلا گیا تھا۔ تو اس نے اپنی زبان میں جواب دیا کہ اپنے گاؤں گیا تھا۔ پھر یہی پوچھا گیا تو اس نے دوبارہ یہی جواب دیا۔ پھر پوچھا کہ تو واپس کیسے آگیا تو اس نے جواب دیا: بھائی تاج الدین نے مجھے دو ملائے مارے اور کہا کہ کہاں جاتا ہے، چل پاگل خانے اور مجھے گھنچ کر لے آئے۔

**پتہ اور انجن** | ایک مرتبہ ڈاکٹر عبد الحمید صاحب نے ایک تقریب میں شرکت کے لئے بمبئی جانے کا ارادہ کیا۔ اور حضرت بابا جان تاج الدین کی خدمت میں حاضر ہو کر اجازت چاہی۔ آپ نے فرمایا: مت جاؤ راستہ تمہارے لئے خطرناک ہے۔

جب انہوں نے زیادہ امر کیا تو آپ نے درخت سے پتہ توڑ کر دیا اور فرمایا کہ اس کو ساتھ لے کر جاؤ۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم بمبئی روانہ ہوئے۔ راستے میں ایسا خطرناک واقعہ پیش آیا کہ ان کی جان بچنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ ہوائوں کو ڈاکٹر صاحب کی ضرورت کی وجہ سے بھساول ریلوے اسٹیشن پر اترے۔ وہ ریلوے لائن پار کر رہے تھے کہ ایک ریلوے انجن ان کے بالکل قریب آگیا۔ اور اس کی دہشت سے وہ ریلوے لائن پر ہی گر پڑے۔ حالانکہ انجن پوری رفتار سے آ رہا تھا۔ لیکن جوں ہی ان کے نزدیک آیا، رُک گیا۔ ریلوے کے ملازمین نے آپ کو لائن پر سے اٹھایا اور کہا: کیا آپ کوئی عامل ہیں، انجن روکے بغیر خود بخود کیسے رُک گیا؟

اس پر ڈاکٹر صاحب نے لوگوں کو بابا حضورؒ کی جانب سے روانگی کی ممانعت اور پھر درخت کے پتے کا پورا واقعہ سنایا۔

## سول سرجن

ایک اور پاگل خانے میں حکام کی ساہانہ میٹنگ تھی سول سرجن کی نشست کے برابر ایک کرسی خالی تھی۔ بابا حضورؒ نے اس کو دیکھ کر ڈاکٹر عبد الحمید خاں صاحب سے کہا: تم کیوں کھڑے ہو اس پر بیٹھ جاؤ۔ تم بھی وہاں بیٹھ سکتے ہو۔ آپ نے یہ بات دہرائی۔ جب میٹنگ ختم ہوئی تو سرجن جسٹس نے ڈاکٹر صاحب کو بلایا اور کہا: ہم تم کو اسسٹنٹ سرجن مقرر کرنا چاہتے ہیں۔

**قریب الملک لڑکی** | ایک شخص جس کی بیٹی بہت بیمار بلکہ قریب ادھر تھی بابا حضورؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور شفا کے لئے دعا کی درخواست کی۔ اس کی گزارش سننے کے بعد آپ چند لمبے خاموش رہے اور پھر کچھ دیر آنکھیں بند کرنے کے بعد منہس کر فرمایا: جا بابا، لڑکی تو اچھی ہو گئی، وہ شخص بہت خوش ہوا اور بے قراری کے عالم میں گھر پہنچا۔ دیکھا تو بچہ بالکل ٹھیک تھی اور کھانا کھا رہی تھی۔ گھر والوں سے پوچھا کہ بچہ ایک ایک کیسے صحت یاب ہو گئی؟ انہوں نے بتایا کہ تنور ہی دیر پہلے ایک سائل دروازے پر آیا۔ جب اس کو خیرات دی گئی تو اس نے ہماری ستم زدہ حالت دیکھ کر خود پوچھا کہ تمہارے گھر میں کیا پریشانی ہے۔ ہم نے کہا کہ کیا بتائیں، ہماری بچی کوئی دم کی مہمان ہے۔ سائل نے کہا چلو ہم دیکھیں گے ہم انہیں گھر میں لے آئے۔ تنور ہی دروازہ ہمارے قریب کھڑے رہے اور ہمیں سنا دیا اچھی ہو جائے گی غیم ذکر ہو۔ ان کے جانے کے تنور ہی دیر بعد ہی بچی ہوٹل میں آگئی اور کھانے کو مانگا۔



**اعلیٰ بیسٹر** | منشی اصغر علی صاحب ناگپوری جو سولہ گنگ شین کمپنی میں ملازم ہیں، بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے جناب ویدارجن، پوسٹ ماسٹر ناگ پور پوسٹ آفس کی زبانی سنا ہے کہ بابا رام سنگھ نامی ایک سرکاری ملازم تھے۔ ان کے خلاف کوئی سرکاری جرم قائم ہوا اور مقدمہ دائر کر دیا گیا۔ انہوں نے بری ہونے کی ہر تدبیر کی اور جب مایوس ہو گئے تو حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر گریہ و زاری کی۔ آپ نے فرمایا: چلا جا، کیا ہوتا ہے، بری ہو جائے گا۔ یہ سن کر وہ شخص خوشی خوشی واپس آ گیا۔ مقررہ تاریخ کو عدالت میں حاضر ہوا اور طلبی پر عدالت میں پیش ہوا۔ منسبین مخالفت کی طرف سے وکیل بھی موجود تھا۔ حضور ہی دیر بعد ایک اعلیٰ بیسٹر عدالت میں آئے اور کہا: میں بیسٹر ہوں اور قفلان شہر میں رہتا ہوں۔ انہوں نے کوئی دور دراز شہر کا نام بتایا اور کہا کہ میں رام سنگھ کی طرف سے اس کے مقدمے کی پیروی کروں گا۔

مقدمے کی کارروائی شروع ہوئی۔ بحث کے دوران بیسٹر صاحب نے کوئی قانونی نکتہ اٹھایا جس کا فریق مخالفت کوئی جواب نہ دے سکا اور محذرت کے ساتھ بیسٹر صاحب کی بحث اور اعتراض کو معقول قرار دیا۔ اس پر بیسٹر صاحب نے کہا کہ گزشتہ تمام کارروائی بے ضابطہ تھی اور مقدمے کی روک تھام سے ملزم قلعی بے گناہ ثابت ہوتا ہے۔ لہذا ملزم کو آج ہی کیوں نہ بری کیا جائے؟ عدالت نے بیسٹر صاحب کی تجویز منظور کی اور ملزم کو اسی وقت بری کر کے مقدمہ خارج کر دیا۔ بیسٹر صاحب عدالت سے روانہ ہوئے تو رام سنگھ بھی آہستہ آہستہ ان کے پیچھے چلا۔ حضور ہی دور جا کر رام سنگھ نے بیسٹر صاحب کے سامنے آکر

عرض کیا: سرکار! یہ نکتہ بری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ میرے بلائے بغیر اس مقدمے کی پیروی کے لئے کیسے آ گئے؟

بیسٹر صاحب نے فرمایا: سمجھو کیا ضرورت ہے۔ ام کھانے سے طلب ہے یا پیر گئے سے؟ جس سے تو نے مقدمے میں مدد طلب کی ہے، اسی نے مجھے پیروی کے لئے بھیجا ہے۔ اب تو اپنے گھر جا، ہم اپنے گھر جاتے ہیں۔

**دنیا سے رخصتی** | ایک روز میں (مصنف تاج قلعی) نے کاسٹلی میں ارادہ کیا کہ پاگل خانے جاکر درخواست کروں کہ میرے فرزند فخر الدین کے لئے شفا کی دعا فرمائیں جو چار مہینے سے سخت بیمار تھا۔ تقریباً بارہ بجے پاگل خانے میں داخل ہوا۔ آپ نے فرمایا: کس لئے دعا کریں۔ وہ تو دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اور پھر وہ الفاظ آپ نے فرمائے جو گزشتہ شب میرے دل میں پیدا ہوئے تھے۔ میں انگشت بندھا رہ گیا کہ وہ الفاظ جو میں نے اپنے دل میں رکھے تھے، بابا حضور نے یک بیک کیسے کہ دیئے۔ مجھے مہر کی یقین فرمائی۔ جب میں وہاں سے لوٹا تو راستے میں ایک شخص نے بتایا کہ گیارہ بجے بچے کا انتقال ہو گیا۔ میں نے گھر جا کر میت کی تجویز و تکفین کی۔

**جیل عرفات** | میرے ایک سمنند اور منشی دوست عبدالرحمن ساکن ایڑا ذکر کرتے ہیں کہ ایک بزرگ شخص حج بیت اللہ کے لئے گئے۔ انہوں نے بابا حضور کو جیل عرفات پر دیکھا اور اپنی فراست سے اندازہ لگایا کہ یہ کوئی صاحب اختیار بزرگ ہیں۔ انہوں نے بابا صاحب سے ملاقات کی اور ان کا نام اور پتہ دریافت کیا۔ فرمایا کہ میں ناگ پور کی پاگل جھونپڑی میں رہتا ہوں۔ اور نام



تاج الدین ہے۔ اتنا فرما کر آپ وہاں سے چل دیئے۔ اور پھر ان کو نہ ملے۔ فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد وہ صاحب جب اپنے وطن ہندوستان آنے لگے تو انہوں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ گھر واپس پہنچنے سے پہلے ناگ پور جا کر ان بزرگ کا دیدار کریں گے جو جبل عرفات پر ملے تھے۔ چنانچہ وہ ناگ پور آئے اور پاگل جھونپڑی کی تلاش شروع کی۔ لوگوں نے کہا کہ یہاں پاگل جھونپڑی تو کوئی نہیں البتہ ایک پاگل خانہ ضرور ہے۔ اور وہاں ایک بزرگ بھی ہیں جن کی تفصیل تم بتا رہے ہو۔ وہ پاگل خانے آئے۔ بابا حضور نے ایک گھنٹہ پہلے ہی ان صاحب کے آنے کی اطلاع پاگل خانے میں موجود لوگوں کو دے دی تھی۔ یہ صاحب پہنچے تو بابا صاحب نہایت شفقت اور تپاک سے ملے اور ملاقات گفتگو کا سلسلہ بہت دیر تک جاری رہا۔ گفتگو کے دوران ان صاحب نے دل میں اپنا شک یہ اشتباہی پیدا ہوا کہ یہ بزرگ تو بے شک صاحب متزل ہیں لیکن ان کا کوئی کشف یا کرامت دیکھنی چاہیے۔ جس وقت وہ یہ سوچ رہے تھے، بابا حضور کچھ فاصلے پر کھڑے تھے، فوراً قریب آئے اور اپنے انگوٹھے اور انگشت شہادت کو ان کی دونوں آنکھوں پر رکھ کر ارشاد فرمایا: کیا بابا! یہی جبل عرفات ہے جہاں اپن حج کو گئے تھے؟

یہ سنتے ہی ان صاحب نے بند آنکھوں سے دیکھا کہ جبل عرفات پر کھڑے ہیں۔ وہی وقت، وہی رونق، وہی جمع ہے۔ انہوں نے کہا: بے شک یہی جبل عرفات ہے۔ یہ تو آپ نے دکھا دیا مگر مقام رب العالمین تو دکھائیے!

اس پر آپ نے اپنا ہاتھ ان کی آنکھوں پر سے ہٹا لیا اور منسرمایا: بابا! تم دور کون جاؤ گے!

**بجالی کا حکم** ایک شخص سرکاری ملازم تھا۔ برطرف ہو گیا۔ بہت اپیلیں کیں مگر بے سود۔ تب وہ اجیر تشریف لیا۔ اور وہاں چند روز قیام کیا۔ کچھ دنوں بعد اسے خواب میں خواجہ صاحب نے خواب میں خواجہ معین الدین ہشتی کی زیارت نصیب ہوئی۔ دیکھا کہ عالی ماہ چند لوگوں کے ہمراہ کہیں تشریف لے جا رہے ہیں۔ خواجہ غریب نواز رح نے اس شخص کو طلب فرمایا اور پھر ارشاد ہوا: تو اپنی ملازمت پر بحال ہو گیا! یہ شخص واپس وطن روانہ ہوا۔ مگر پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ ملازمت کی بجالی کا حکم آیا ہوا ہے۔ چند دنوں بعد یہ شخص بابا حضور تاج الدین کے دیدار کے لئے آیا۔ اسے دیکھتے ہی حضور نے فرمایا: مہاں کیوں آئے ہو، ہم کو پہچانتے ہو؟ ہم بھی تو وہاں حاضر تھے جب بڑے صاحب نے تمہاری بجالی کا حکم دیا تھا!

**دیکھنے کی چیز** منشی محمد حسین مرحوم نے جو تحصیلدار کہلاتے تھے اور جنہوں نے واک ہی میں رحلت فرمائی، ایک روز عرض کیا کہ میں نے اپنے وطن حیدرآباد کی خطروان کئے مگر کوئی جواب نہیں آیا جس کی وجہ سے طبیعت بہت پریشان ہے۔ بابا حضور نے فرمایا: تمہارے خطوط کہاں ہیں؟ پھر پشت کی طرف ہاتھ ڈال کر تمام خطوط کمال کران کے سامنے رکھ دیئے اور منسرمایا: خطوط تو میں پڑھ لے گا۔

اسی طرح ایک روز جنگل میں بابا حضور نے تحصیلدار کو ایک درخت کے نیچے چادر بچھانے کا حکم دیا۔ پھر کچھ دیر بعد حکم دیا کہ چادر اٹھا لے۔ انہوں نے دیکھا کہ چادر کے نیچے روپوں کا فرش بچھا ہوا ہے۔ انہوں نے کہا: یہ سب میں لے لوں؟



آپ نے ارشاد فرمایا: نہیں، یہ صرف دیکھنے کی چیز ہے، لینے کی نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا: چادر ڈال دے۔

انہوں نے چادر ڈال دی۔ پھر مٹری دیوبند سرمایا: چادر اٹھائے۔ حسب الحکم چادر اٹھائی تو دیکھا کہ روپوں کے فرش کا نام و نشان تک نہیں ہے۔ لمبی نکو کرورے! | سردار خاں صاحب کا ایک ہاتھ مفلوج ہو گیا۔ اور اس میں خون کی روانی صحیح نہ رہی۔ اس زمانے میں بابا جی

پاگل خانے میں جلوہ افروز تھے۔ اور ہر طرف آپ کی شہرت پھیل رہی تھی۔ سردار خاں کو ان کے خسر ساتھ لے کر پاگل خانے پہنچے اور یہ دونوں نیم کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ اتنے میں ایک حاجی صاحب آئے اور بابا صاحب کو پوچھنے لگے۔ لوگوں نے حاجی صاحب کے آنے کا سبب پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ میں حج کر کے رہا ہوں۔ مکہ میں تاج الدین نام کے ایک صاحب میرے ساتھ رہے اور انہوں نے مجھے اپنا پتہ بتاتے ہوئے کہا تھا کہ میں ناگ پور کے پاگل خانے میں رہتا ہوں۔ حاجی صاحب کی یہ بات ڈاکٹر کاٹھی ناتھ راؤ نے بھی سنی جو پاگل خانے کے نگران ڈاکٹر تھے۔ ڈاکٹر صاحب کو پتہ تھا کہ بابا صاحب ۲۱ روز سے مکہ بند ہیں۔ اور جب بھی مکہ کو لہر لاجاتا تھا بابا صاحب مکہ سے میں موجود ہوتے تھے۔ دو جگہ بیک وقت موجودگی کی شہادت ملنے سے ڈاکٹر صاحب کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ وہ پہلے ہی سے بابا صاحب کے عقیدہ قند اور خدمت گزار تھے۔ یہ سکر بے اعتبار ان کی زبان سے بابا صاحب کی شان اور عظمت میں کلمات جاری ہو گئے۔ ٹھیک اسی وقت بابا تاج الدین اپنے کمرے سے باہر آئے اور ڈاکٹر صاحب کو مخاطب کیا: لمبی نکو کرورے، لمبی نکو کرورے دس

بات کر طول ست دو! یہ کہہ کر بابا صاحب سردار خاں صاحب کی طرف مڑے اور اپنی انگلی پکڑ کر کہنے لگے: بڑی ملین رے، بڑا درد رے! بابا صاحب یہ الفاظ ادا کر رہے تھے اور سردار خاں کو اپنے ہاتھ میں توانائی بحال ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔ کئی بار پہلے ادا کرنے کے بعد بابا صاحب نے جھٹکے سے اپنی آنکھیاں چھوڑ دیں۔ سردار خاں نے محسوس کیا کہ ان کا ہاتھ پوری طرح کام کر رہا ہے۔ بابا صاحب نے سردار خاں سے کہا: حاجی سردار خاں جا کر آؤ! چنانچہ سردار خاں صاحب کو حج کی سعادت نصیب ہوئی جیسا کہ بابا صاحب نے اشارہ فرمایا تھا۔

بہت سے واقعات ایسے ہیں جن میں بابا تاج الدین رحمہ یک وقت ایک سے زیادہ جگہوں پر دیکھے گئے۔ ایک مرتبہ قلندر بابا اولیاء سے یہ بات پوچھی گئی کہ ایسا ہوتا کیوں کر ممکن ہوتا ہے تو آپ نے فرمایا: اس کی بہت آسان مثال فروٹ ہے۔ فروٹ اگرانی ہوا ایک ٹنگیٹو پہلے بنایا جاتا ہے اور پھر اس ٹنگیٹو سے اس کا پوزیٹو حاصل کیا جاتا ہے۔ ٹنگیٹو سے ہم صرف ایک پوزیٹو تصویر نہیں بلکہ متنی تصاویر چاہیں تیار کر سکتے ہیں۔ کم و بیش یہی حال روح کی تخلیقات کا ہے۔ روح ایک طرح کا ٹنگیٹو ہے اور گوشت پوست کا جسم اس کا پوزیٹو۔ اگر کسی شخص کے ذہن کا ٹینس مصفیٰ اور طاقتور ہے تو وہ چاہے تو خود کو (یعنی اپنی روح کو) پوزیٹو تصاویر کی طرح بہ یک وقت کئی جگہ تشکیل کر سکتا ہے۔

اس کی دوسری مثال بلی وزن ہے۔ مرکزی اسٹیشن سے ایک ہی نشریات نصابیں بکھرتی ہیں اور بہ یک وقت ہزاروں لاکھوں جگہوں پر موجود بی وی سیٹوں کے پکڑ ٹوب اسے حاصل کر کے پوزیٹو میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ ایک ہی شکل، ایک ہی تصویر، بہ یک



وقت ہزاروں ملکوں پر منحصر ہو جاتی ہے۔ اولیاء اللہ اور روحانی طاقت رکھنے والے  
صغیرات اسی اصول پر اپنی روح کی نشریات کو بیک وقت کئی اسکیموں (مقامات) پر  
پر منحصر کر دیتے ہیں۔

**غیبی ہاتھ** | ایک دن ڈاکٹر کافی ناتھ راؤ اپنے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ  
یکایک بابا تاج الدین ان کے کمرے میں داخل ہوئے۔ بابا صاحب  
کے چہرے سے جلال برسر رہا تھا۔ بابا صاحب کی بدلی ہوئی کیفیت دیکھ کر ڈاکٹر  
صاحب گھبرا گئے۔ انہیں یاد آیا کہ بابا صاحب کو تو ان کے کمرے میں باہر سے تالا لگا کر  
بند کر دیا گیا تھا، پھر آپ یہاں کیسے آ گئے! ابھی وہ یہ سوچ رہے تھے کہ ایک مظلوم  
آواز گونجی۔ "اسلام علیکم!" بابا صاحب نے جواباً کہا: "وعلیکم السلام" ساتھ ہی دیوار  
سے ایک ہاتھ نمودار ہو کر بابا صاحب کی طرف بڑھا۔ بابا صاحب نے مصافحہ کیا اور  
ہاتھ غائب ہو گیا۔ بابا صاحب بھی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ ڈاکٹر صاحب دوپٹہ بوندے  
بابا صاحب کے کمرے تک پہنچے اور دروازہ کھول کر دیکھا تو بابا صاحب مراقبہ کی حالت  
میں بیٹھے تھے۔

اسی زمانے میں گیارہ پاگل بیک وقت پاگل خانے سے فرار ہو گئے، لیکن  
اگلے روز خود ہی آ گئے۔ ڈاکٹر صاحب پاگوں کے پاس کھڑے تھے کہ پاگل خانے کا  
انگریز آفسر اہل آگیا۔ وہی ڈاکٹر کاٹھی ناتھ راؤ اور آفسر اہل میں گفتگو ہو رہی تھی کہ بابا  
تاج الدین وہاں آئے اور انگریز کو مخاطب کر کے کہا: "تم یہاں کیا کرتا ہے، بنگلے پر  
جا کر میم صاحبہ کا انتقال ہو گیا۔" آفسر اہل گھر پہنچا تو اس کی بیوی کے انتقال کا تار موجود  
تھا۔ اس واقعہ کے بعد وہ بھی بابا صاحب کے شہیدانوں میں شمار ہونے لگا۔

**میدیکل سرٹیفکیٹ** | سید عبد الوہاب صاحب نے بیان کیا۔

۱۔ دسمبر ۱۹۰۷ء کا ذکر ہے۔ میں نے پوسٹ آفیس  
آفس، ناگ پور میں ملازمت کی درخواست دی اور اسی روز شام مجھے ہدایت کی گئی کہ  
میں میڈیکل آفسر کا سرٹیفکیٹ پیش کروں کہ میں طبی لحاظ سے کام کرنے کے لائق ہوں  
میں میڈیکل آفسر کے پاس جانے سے چکچکایا۔ کیوں کہ ان دنوں میں خارش کے مرض میں  
 مبتلا تھا۔ اور میرے جسم پر پھوٹے نکل آئے تھے۔ قوی امید تھی کہ ڈاکٹر مجھے نوکری کا اہل  
قرار نہیں دے گا۔ میں پریشان ہو کر گھر گیا اور سوچنے لگا کہ کیا کرنا چاہیے۔ خیال آیا کہ  
جناب بعد الحفیظ صاحب سے مشورہ کرنا چاہیے جو مجھ پر ہمہ زبان اور کرم فرماتے تھے۔  
اور ناگ پور کی کچھری کے نقشہ نویس کے معتمد تھے۔ میں نے ان کے پاس جا کر صورت حال  
بیان کی۔ انہوں نے جواب دیا: گھر آؤ انہیں۔ تم بابا تاج الدین کے پاس جا کر نہایت  
ادب اور عجز سے درخواست پیش کرو۔ مجھے یقین ہے کہ بابا صاحب اس کا حل کال  
دیں گے۔ میں اور میرے چھوٹے زاد بھائی جو دیپور میں صفائی اہل تھے، پاگل خانے  
پہنچے۔ ہم دونوں نے جھانک سے اندر داخل ہو کر چوکیدار سے بابا صاحب کا پتہ  
پوچھا۔ چوکیدار ہم کو بابا صاحب کے پاس لے گیا۔ بابا صاحب ایک درخت کے نیچے  
تشریف فرما تھے اور سینکڑوں لوگ آپ کے گرد جمع تھے۔ چوکیدار نے ہمیں مشورہ  
دیا کہ آپ لوگ ان الفاظ میں بابا صاحب کو سلام کریں: "اسلام علیکم بھائی صاحب!  
ہم نے ان ہی الفاظ میں بابا صاحب کو سلام کیا۔ بابا صاحب نے سلام کا جواب دیتے  
ہوئے کہا: "آؤ مدد اسی بھائی۔ میرا وطن بھی مدد ساس ہے۔ دفتر لے کر آئے ہیں، دفتر  
لے کر جائیں گے۔" بابا صاحب کے اس طرز خطاب سے سارا مجمع ہماری طرف متوجہ ہو گیا



اور میں بابا تک جالے کا راستہ لے دیا۔ میں جوں ہی بابا صاحب کے قریب پہنچا، بابا صاحب نے حکم دیا: "پیر دباؤ"۔ پیر دبانے ہوئے تھوڑی دیر گزری مگر کبھی بابا صاحب بالکل بے حس و حرکت ہو گئے، نبض ساکت ہو گئی، سانس رُک گئی اور جسم سرد پڑ گیا۔ یہ حالت دیکھ کر میں گھبر گیا۔ کبھی بابا صاحب کے دل پر ہاتھ رکھ کر دھڑکن کا احساس کرتا، کبھی نبض پر ہاتھ رکھ کر نبض کی حرکت کا محسوس کرتا۔ لیکن زندگی کے کوئی آثار نہیں پائے۔ میں نے سوچا کہ لوگوں کو اطلاع دے دوں کہ بابا صاحب نے اس دنیا سے پردہ فرمایا۔ دس پندرہ منٹ اسی حالت میں گزر گئے۔ میں نے لوگوں سے یہ بات کہنے کے لئے ب کھڑے ہی تھے کہ بابا صاحب نے "یا ہو" کہہ کر آنکھ کھول دی اور اٹھ بیٹھے۔ کچھ فرمایا جسے میں سمجھ نہیں سکا۔ بعد ازاں مجھ سے مخاطب ہو کر کہا: "جا کر آؤ حضرت! وہ انگریز کیا کرے گا؟"

ان الفاظ کے ساتھ ہی چوکیدار نے ہم سے کہا کہ آپ جس کام کے لئے آئے تھے وہ ہو گیا ہے۔ اب آپ لوگ جاسکتے ہیں۔ ہم سلام کے بعد رخصت ہوئے۔ دوسرے دن میں میڈیکل آفیسر کے پاس گیا تاکہ سرٹیفکیٹ حاصل کروں۔ وہاں میرے علاوہ ۳۵ آدمی موجود تھے جو سرٹیفکیٹ کے لئے آئے تھے۔ میرا نمبر سب سے آخری تھا۔ ڈاکٹر صاحب آئے اور باری باری لوگوں کا معائنہ شروع کیا۔ ابھی میرا نمبر آیا ہی چاہتا تھا کہ میڈی چیف کمرے نے ڈاکٹر صاحب کو بلوایا اور وہ چلے گئے۔ وہاں سے واپس آکر ڈاکٹر صاحب نے اپنے اسسٹنٹ سے پوچھا کہ کیا کوئی شخص باقی ہے تو اس نے کہا نہیں۔ اس پر ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ تمام لوگوں کے سرٹیفکیٹ تیار رکھو میں آکر دستخط کر دوں گا۔ پس منکر میں فکر مند ہوا کہ میرا طبی معائنہ تو ہوا نہیں، پھر سرٹیفکیٹ

پر کیوں کر دستخط ہوں گے۔ پھر حال میں چار بجے آفس گیا تو میرا سرٹیفکیٹ ڈاکٹر نے دے دیا، حالانکہ میرا معائنہ ہوا نہیں تھا اور اگر ہو جانا تو میرے پاس ہو جانے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اس واقعہ کے بعد مجھے جب بھی موقع ملتا، بابا صاحب کی قدیم بوسی کے لئے جاتا تھا۔

**مشک کی خوشبو** | ایک دن مغرب کے وقت بابا صاحب کے پاس سے اس آ رہا تھا کہ صدر دروازے پر ایک صاحب لے۔ انہوں نے

پوچھا: "آپ کہاں سے آ رہے ہیں؟"

میں نے جواب دیا کہ میں بابا تاج الدین کی خدمت سے واپس آ رہا ہوں۔ انہی شخص نے دریافت کیا: "آپ کے پاس کیا ثمرت ہے کہ آپ بابا صاحب کی خدمت سے واپس آ رہے ہیں؟"

میں اس سوال کا جواب نہ دے سکا۔ تب انہوں نے پوچھا: "آپ بابا صاحب کے پاس کیا کر رہے تھے؟"

میں نے بتایا کہ میں بابا صاحب کے پیر دبار ہاتھا۔ انہی نے دونوں ہاتھ سونگھنے کو کہا۔ میں نے ہاتھ سونگھے تو حیران رہ گیا کہ ہاتھوں میں سے مشک کی خوشبو آ رہی تھی۔ انہی نے میرے دونوں ہاتھ پکڑ کر اپنے جسم پر مٹا شروع کر دیے۔ ہر طرف مشک کی خوشبو پھیل گئی۔ میں نے بھی اپنے کپڑوں پر اچھی طرح ہاتھ ملے اور گھر واپس آ گیا۔ گھر پہنچ کر بھی کپڑوں میں سے مشک کی خوشبو آتی رہی۔ یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ وہ صاحب کون تھے جن سے صدر دروازے پر ملاقات ہوئی تھی اور جن کی وجہ سے مجھے یہ خوشبو نصیب ہوئی تھی۔ اس خوشبو کا عالم یہ تھا کہ کئی سال تک ان کپڑوں سے سوازی خوشبو



آئی ہی رہی۔ میں نے ان کپڑوں کو اتار کر تیسرے گاٹے پاس محفوظ کر لئے تھے۔

ایک بار میں دن کے وقت حضور بابا صاحب کے پاس موجود تھا۔ علی گڑھ جانے والے چند طالب علم ایک فوٹو گرافر کو لائے، خود بابا صاحب کے دونوں جانب کھڑے ہو گئے اور فوٹو گرافر نے تصویر لے لی۔ جب فوٹو گرافر فوٹو دھو کر لایا تو فوٹو میں لڑکے تو موجود تھے لیکن بابا صاحب قبلہ کی شبیہ موجود نہ تھی۔

شیر و | جس زمانے میں بابا تاج الدین واکے میں تھے، شیر و نام کا ایک کتا بابا صاحب کے پاس رہتا تھا۔ شیر و کا یہ کام تھا کہ جب ریل کے آنے کا وقت ہوتا خود ہی اسٹیشن پر پہنچ جاتا اور جو لوگ بابا صاحب کے پاس آتے ان کی رہنمائی کر کے اسٹیشن سے واکے میں بابا صاحب کی قیام گاہ تک لاتا۔ طریقہ کار یہ ہوتا تھا کہ ریل آجائے کے کچھ دیر بعد شیر و واکے کی طرف چل پڑتا اور لوگ اس کے پیچھے چھوٹے۔ لوگوں کو شیر و کے معمول کا علم تھا اور جو نئے آنے والے ہوتے انہیں بتا دیا جاتا تھا۔ اگر بابا صاحب اپنی قیام گاہ کے بجائے کہیں اور ہوتے تو شیر و لوگوں کو وہیں لے جاتا تھا۔ ایک واقعہ حال صاحب واکے آئے لیکن شیر و کو اسٹیشن پر موجود نہ پا کر وہ سوچنے لگے کہ نہ جانے آج شیر و کیوں نہیں آیا۔ غرض تمام آنے والے خود ہی واکے کی طرف روانہ ہوئے اور راستے میں شیر و کے کام اور اس کی مستعدی کی تعریف کرتے رہے۔ جب سب لوگ بابا صاحب کی قیام گاہ پہنچے تو بابا صاحب وہاں موجود نہ تھے۔ لوگ جنگل کی طرف روانہ ہو گئے کہ ان کو تلاش کریں۔ یہ صاحب کسی دوسرے راستے سے جنگل کے چلے راستے میں دیکھا کہ شیر و مرا پڑا ہے۔ بہت افسوس ہوا۔ ابھی کچھ دور آگے گئے تھے کہ

بابا تاج الدین اسی طرف آتے دکھائی دیے۔ بعد قدم بوسی ان صاحب نے عرض کیا: حضور! آپ کا شیر و جو لوگوں کو آسانی سے آپ تک لاتا تھا، مر گیا۔ پتھر بابا صاحب نے فرمایا: نہیں رے! چل دیکھیں کہاں ہے:

وہ صاحب بابا صاحب کو لے کر وہاں پہنچے جہاں شیر و پڑا تھا۔ بابا صاحب نے کہا: اسے لڑکری میں ڈال کر ہمارے ساتھ لے چلو:

جب شیر و کو لڑکری میں ڈال گیا تو بابا صاحب نے اس پر اپنا بیٹہ ڈال دیا۔ یہ صاحب لڑکری لے کر کچھ ہی دور بابا صاحب کے ساتھ گئے تھے کہ لڑکری میں حرکت ہوئی اور شیر و لڑکری سے نیچے کودا۔ کچھ عرصہ بعد شیر و پھر مر گیا۔ بابا صاحب نے اپنا بیٹہ دے کر حکم دیا کہ اُسے شفا خانے کے پاس دفن کر دو۔

مردے کو زندہ کر دینا بظاہر بڑی عجیب بات دکھائی دیتی ہے لیکن یہ قانون الہی کے من مطابق ہے۔ قلندر بابا اویار فرماتے ہیں:-

اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صفات کا جو علم (علم الاسرار) سکھایا تھا۔ اس میں ایک اسم رحیم بھی ہے۔ رحیم کو صفت ہے تخلیق یعنی پیدا کرنا۔ چنانچہ پیدائش کی جس قدر طرز میں موجودات میں استعمال ہوئی ہیں ان سب کا محرک اور خالق رحیم ہے۔ اگر کوئی شخص رحیم کی بڑی صفت کا فائدہ اٹھانا چاہے تو اس کو اسم رحیم کی صفت کا زیادہ سے زیادہ ذخیرہ اپنے باطن میں کرنا ہوگا۔ نیابت اور خلافت الہیہ کے تحت انسان کی روح کو اسم رحیم کے تقرقات کی صلاحیتیں پوری طرح حاصل ہیں اور اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس صفت کے استعمال کا حق بھی حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے معرفت صفا کی مثال دے کر اس صفت کی وضاحت کر دی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:



ترجمہ: اور جب تو جانا مٹی سے جانور کی صورت میرے حکم سے پہر دم ہوتا ہے  
میں تو ہوتا جانور میرے حکم سے اور چمکا کر ناماں کے پیٹ کا اندھا اور کوڑھی کو میرے حکم سے  
اور جب نکال کر ٹپے کرنا مروے میرے حکم سے۔

اگر کوئی انسان اس صفت کی صلاحیت کو استعمال کرنا چاہے تو اسے مراتب  
کے ذریعے اپنے اندر اس فکر کو مستحکم کرنا پڑے گا کہ میری ذات اہم و جہم کی صفات  
سے تعلق کوئی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ موجودات کی جس قدر شکلیں اور صورتیں ہیں وہ سب  
اسم و جہم کی صفات کا فوری مجموعہ ہیں۔ یہ مجموعہ انسان کی روح کو حاصل ہے۔ جب  
کوئی شخص فکر کی پوری مشق حاصل کرنے کے بعد اسم و جہم کی صفات کو خود سے الگ شکل  
صورت دینے کا ارادہ کرے گا یا کسی مردے کو زندہ کرنا چاہے گا تو نیابت الہی کے  
حمت اس کا اختیار حرکت میں آئے گا۔ اور صفت کا منظر اس ذی روح کی شکل صورت  
اختیار کرے گا جس کو وجود میں لانا مقصود ہے۔ یاد رکھیے گا کہ اس کی روح سے اہم و جہم  
کی صفت روح بن کر اس مردے میں منتقل ہو رہی ہے جس کو وہ زندہ کرنا چاہتا ہے۔

**سرکشن پرشاد کی حاضری** | مہاراجہ سرکشن پرشاد حیدر آباد دکن کے طبقہ امرا  
سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ ایک سرمستہ کھیر آباد  
دکن کے وزیر اعظم بھی رہے۔ مہاراجہ شروجن کے علاوہ تعینات و تالیف میں بھی خاصا  
درک رکھتے تھے۔ مہاراجہ کے سفر نامے اردو زبان کے معیاری سفر ناموں میں شمار  
کئے جاتے ہیں۔ سرکشن پرشاد کے مطلوبہ سفر ناموں میں "سیرنگ پور" نامی ایک مختصر سفر نامہ  
ہے۔ اس سفر نامے میں بابا تاج الدین ناگ پوری کا تذکرہ مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔  
ذیل میں ہم اس سفر نامے کے اہم مندرجات پیش کر رہے ہیں:

"تین جینے ہوئے میرے سز بڑا تیز سید معین الدین خاں نبیرہ سردار عبدالحق،  
دلیر ملک مرحوم نے مجھ سے برسیل تذکرہ کہا تھا کہ ناگپور کے پرے واک ایٹشن کے قریب  
ایک بزرگ تاج الدین شاہ ولی کے نام سے مشہور ہیں۔ نہایت کامل اور متجارب الدعوات  
ہیں۔ ان کی رطب القسانی کا تخم میرے دل میں بویا گیا اور شوق و ذوق ویدورشن کی  
آبیاری سے اس کی پرورش شروع ہوئی۔ کم سنی سے مجھے بزرگوں کے ساتھ ملائید  
ملت و مذہب ایک خاص قسم کی عقیدت ہے۔ یہ سمجھنا چاہئے کہ میری گنتی میں عقیدت  
کا پٹ پڑا ہے۔ اگرچہ انہی دنوں میں طاہر ارادہ کو تحریک ہوتی کہ چل کر دشن کرکوں،  
لیکن کل اہم و جہم کا پٹ پڑا تھا کہ سب پر پرواز شکستہ تھے۔ اس لئے یہ  
بات اور ارادہ رفت و گزشت ہو گیا۔ دنیا عالم اسباب ہے۔ کسی سبب کا پیدا ہونا  
ضروری تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میرا تیسرا لاکھ عثمان پرشاد قدم بروز دنداں کے باعث  
علیل ہو گیا تھا، اس میں طوالت پیدا ہوئی اور بیمار لازمی ہو گیا۔ ایک سوا اور ایک سو  
دو کے درمیان اس کا آثار چڑھاؤ ہوتا تھا۔"

ماہر ڈاکٹر وول اور نامی گرامی اطباء کا علاج ہوتا، بالیکین بچے کی طبیعت  
میں کوئی منسرق نہیں پڑا۔ لوگوں کے مشورے پر سرکشن پرشاد بچے، اس کی والدہ اور  
بہن کو ساتھ لے کر وقار آباد چلے گئے تاکہ تبدیل آب و ہوا سے بچے کی طبیعت پر خوشگوار  
اثر پڑے۔ وقار آباد کانت اصل حیدر آباد سے بذریعہ ریل دو گھنٹے کا تھا۔ اس دوران  
مہاراجہ کی لڑکی کی شادی بھی تھی۔ وقار آباد میں بھی بچے کی طبیعت میں افادہ نہیں ہوا بلکہ بگڑ  
گئی۔ شادی کی مجبوری سے مہاراجہ حیدر آباد واپس آئے اور بچے کی شادی کو سنگنی کی  
رسم ادا کی۔



اسی رات دو بجے پہچے کی طبیعت مزید خراب ہوئی اور دوسری صبح بہت بگڑ گئی۔ مہاراجہ صحت پریشان ہو گئے۔ وہ لکھتے ہیں :

"طبیعت نے گوارا دیا کہ اپنے پیارے کی حالت یہاں رہ کر دیکھوں۔ فوراً ریل کے سیلون کا انتظام کر کے میں نے اپنے والد ماجد کو ملکہ دیا کہ فی الحال شادی ملتوی کر دی جائے۔ ہفتہ عشرہ کے لئے میں بغیر من تبدیل آب و ہوا جاتا ہوں ورنہ میری صحت پر بڑا اثر پڑنے کا اندیشہ ہے۔ چنانچہ ۸۔ تاریخ روز پنجشنبہ وقت مغرب سب کو خدا حافظ کہہ کر گھر سے بحالت اضطراب روانہ ہوا اور بر خور دار کی والدہ سے کہہ دیا کہ خدا پر نظر رکھ کر دعا کرتی رہیں۔ انشاء اللہ کچھ بج بھار میں کی محسوس ہوگی اس وقت واپس ہوں گا۔"

چلتے وقت بعض اجاب نے مشورہ دیا کہ جب سفر پر روانہ ہو رہے ہیں تو بہتر ہے کہ ناگپور کی طرف جا کر حضرت تاج الدین بابا کے بھی درشن کر لیں۔ یہ بات مہاراجہ کے دل کو لگی اور وہ ناگپور کی سمت روانہ ہوئے۔

ناگپور پہنچ کر راجہ صاحب کو قہہ چلا کہ بابا تاج الدین راجہ رگوجی کے مکان میں رہتے ہیں۔ راجہ صاحب نے بغیر تعارف اور اجازت کے وہاں جانا مناسب نہیں سمجھا بلکہ اپنے منصب دار مرزا احمد بیگ کو بابا صاحب کی خدمت میں سلام پہنچانے کا حکم دیا۔ مرزا احمد بیگ جس وقت بابا صاحب کی خدمت میں پہنچے، بابا صاحب نے لٹے ہوئے تھے۔ موقع مناسب دیکھ کر مرزا احمد نے مہاراجہ کا سلام پہنچایا۔ بابا صاحب نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"چراغ رکھ کر چراغ کی فکر کرنا ہے۔ کہہ دے گھر کو چلا جائے۔"

مہاراجہ کشن پرشا کو جب یہ جواب سنایا گیا تو انہوں نے اسے اپنے لئے ایک خوشخبری سمجھا لیکن ایک بات ان کے دل کے گوشے میں کھٹک رہی تھی کہ بابا صاحب مجذوبانہ طبیعت رکھتے ہیں، اس اشارے سے ان کا کوئی اور مطلب تو نہیں

دوسرے دن صبح گھر سے تار آیا کہ رات کو بچے کی حالت زیادہ خراب ہوئی۔ مہاراجہ کشن پرشا دہلیے میں ہو گئے اور ایک صاحب رام چندر پرشا سے کہا کہ آج کسی کیسی طرح بابا تاج الدین کے درشن سے فیض حاصل کرنا ہے۔ لہذا کوئی سطرخواہ کرنے کی ہوا حاصل کرو۔

سٹوڈی کو شش کے بعد موٹر لی گئی۔ چار بجے لباس تبدیل کر کے اپنے دو صاحب کو ساتھ لے کر جو خوری کے لئے نکلے۔ مہاراجہ لکھتے ہیں :

"جہاں تک گیا اور دیکھا ناگپور کی بستی کو خوشنما پایا۔ راکس سینڈے ریکنی طرح صحافت، اس کے دورویہ گئے درخت مسافر اور رہ گزر پر سایہ ڈالتے ہیں، مسکن کی باقاعدہ سہل قطار، راستے وسیع۔"

چلتے چلتے راجہ کے اس بانگ تک پہنچے جہاں بابا صاحب مقیم تھے۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ بابا صاحب موجود ہیں۔ مہاراجہ کشن پرشا فوراً موٹر سے اتر کر اندر داخل ہوئے۔ وہ لکھتے ہیں :

"دیکھا کیا ہوں کہ زائرین کہ تا نا جندھا ہوا ہے اور منتظر فضل باری ہیں۔ اور مجذوب کے منظر کو اپنا قاضی الحاحات سمجھ کر امید کا دامن پھیلائے ہوئے ہیں۔ اور منظر ذاتی استنہای عبودیت کے عظمت سے فریق ہو کر مجذوب کی تصویر بن کر ہر ایک کے



درو کی دوا کرنے میں اپنی سیاحتی دکھا رہا ہے۔ جَلَّ جَلَّادُ، جَلَّ شَانُو۔ اس وقت بابا صاحب دوسری طرف متوجہ تھے۔ میرے پس پشت جا کر کھڑے ہوتے ہی چونک کر فوراً میری طرف دیکھ کر نظر طائی۔ نظر کا ملنا تھا کہ میرے قلب پر ایک ایسی کیفیت طاری ہوئی جس کا اظہار قلم سے ممکن نہیں۔ درحقیقت ان کی نسبت نہایت قوی اور نظر میں برقی قوت تھی۔ میں نے بھی ان کی دید سے نظر نہیں چرائی۔ دس منٹ یا اس سے کچھ زائد غور گزارا ہو گا بقول شخصے سے

دید تو منظر است باقی پوست است

دید آن باشد کہ دید دوست است

اس دید بازی کے مزے خوب ملے۔ اس کے بعد بابا صاحب نے کہا: شرارتیں کرتے ہو۔ جاؤ سیدھے گھر جاؤ!

میں سلام کر کے واپس ہوا۔ اگرچہ بیٹس کا خیال تھا کہ میں ان سے کچھ کہوں۔ مگر ان کی زبردست نسبت نے مجھے ہر طرح مطمئن کر دیا تھا۔ جب تھوڑی دور تک میں چلا تو میرے پیچھے ہی آئے اور ایک مائی صاحبہ مٹی میں ان سے چوڑی لی اور مجھے دے کر کہنا: لو، بس اب تو جاؤ گے۔ میں نے چوڑی لی اور اس کا تقاضا بھی نیک خیال میں آیا۔ میں پھر سلام کر کے واپس ہوا۔ میرے ساتھ آئے، میں کھڑا ہو گیا۔ وہاں کبوتر اڑ رہے تھے۔ ان کی طرف مخاطب ہو کر درختوں کے گٹھوں میں سے کچھ مٹی اٹھائی اور کبوتروں کی طرف ڈال کے خد اچانے کیسا فرماتے رہے۔ میں تو ان کی دید میں موقوف تھا۔ اس اثنا میں ایک مقتدر سگریٹ روشن کر کے بابا صاحب کی طرف متوجہ ہوا۔ آپ نے فوراً میری طرف دکھا کر اس سے کہا: یہ تو ان کو دو۔ یہ نہیں گے۔ ان کے واسطے! اور وہ سگریٹ مجھ کو عطا

فرمایا۔ میں نے اس کو سمجھ لیا۔ جب میں جانے لگا تو جیسے فوجی سلام کرتے ہیں اس طرح سلام کر کے یہ الفاظ کہے "ALL RIGHT AND GOOD MORNING" یعنی سب کچھ بہتر ہے۔ صَدِّقَ اللہ۔ اس سے بہتر اور تقاضا دل نیک اور جان بکھا کیا ہو سکتا تھا۔ میں پھر سلام کر کے رخصت ہوا۔ پھر میرے ساتھ ساتھ وہاں تک گئے جہاں میں موٹر سے اترا تھا۔ وہاں سے وہ دوسری طرف چلے گئے اور میں خدا حافظا کہہ کر اپنی فرودگاہ کی طرف روانہ ہوا!

آخر میں مہاراجہ کیشن پر شاد نے اپنا سفر نامہ ناگ پور اس بیان پر ختم کر دیا ہے۔ "ادھر زلفت یار نے کمر تک رسائی کی اور ادھر نصرت شبت نے سیاہ چادر کمر تک اتان لی۔ جَعَلْنَا الْيَتْلُ لَيْسًا سَاكٍ حکم کے مطابق بستر پر دراز ہوا۔ دوسرے روز سنہار پہنچا۔ وہاں بذریعہ مار اطلاع ہوئی کہ برغور دار کا مزاج رویہ اصلاح ہے ڈاکٹر منٹ نے کہہ دیا کہ اب کوئی خطرہ نہیں رہا۔ مگر پھر ایک سو ایک سے زیادہ کہیں ہے۔ الحمد للہ المندت اس نوید سرت آمیز کے سننے سے دل شاد باغ باغ ہوا وہاں سے سیلون بدل دیا گیا۔ میٹر گیک لائن کا ایک سیلون لے کر اورنگ آباد کے راستے سے چار شنبہ کے روز چار بجے کی ٹرین میں الرال میں داخل ہوا اور وہاں سے بذریعہ موٹر مکان میں آیا۔ اور سب کو خیر و عافیت کے ساتھ پایا۔ سجدہ شکر کیا لایا اور شادی کے آغاز کے لئے حکم دے دیا۔ خدائے تعالیٰ ہمیشہ ہر بات کا انجام بخیر کرے!"

سفر نامہ کی تاریخ کے متعلق تہہ چلا کر غزوہ جہاد الاخریٰ ۱۳۳۱ھ کو ۸ مئی ۱۹۱۳ء اور روز چنبند تھا۔ مہاراجہ کے بیان کے مطابق ۷ تاریخ کو سنگنی ہوئی ۸ تاریخ روز چنبند کو بچے کی طبیعت زیادہ بگڑ گئی۔ اسی روز مہاراجہ حالت اضطراب میں ناگ پور کی



طوط نکل گئے۔ واپسی چار شنبہ کو ٹل میں آئی۔ اس طرح یہ ثابت ہو کہ وہ جمادی الاخرہ ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۹ مئی ۱۹۱۲ء کو غازی پور سے روانہ ہوئے۔ روز پنجشنبہ کو آغاز سفر کیا اور ساتویں روز ۱۴ جمادی الاخریٰ مطابق ۲۰ مئی کو حیدرآباد واپس آئے۔ اس لحاظ سے یہ سفر سات دن کا ہوتا ہے۔ ہمارا چرکشن پرشاد دوسری دفعہ بابا صاحب کی خدمت میں آئے تو نظام دکن کا ایک فرمان بھی ساتھ لائے جس میں کچھ جاگیر نظام نے بابا صاحب کی نذر کی تھی۔ بابا صاحب نے فرمان چاک کرتے ہوئے کہا:

"نظام دکن کا داناغہ خراب ہو گیا ہے کہ زمین کے مالک کو زمین نذر کرتا ہے۔ اس سے کہو کہ ہم نے تم کو زمین دے رکھی ہے۔"

**لڈو اور اولاد** ایک بار دو ہندو عورتیں، مراؤٹی سے بابا تاج الدین کے پاس آئیں۔ ان دونوں عورتوں کی شادی کو بارہ چودہ سال گزر گئے تھے لیکن اولاد سے محروم تھیں۔ بابا صاحب ندی کے پاس ریت پر بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے ایک جھولی میں سے دو لڈو نکالے اور چمک کر ان عورتوں کو دیتے ہوئے کہا: "کھاؤ!" ایک عورت نے لڈو کھایا لیکن دوسری نے نظر چاک کر ریت میں دبا دیا۔ دوسرے دن یہ عورتیں اپنے گھر ملی گئیں۔ وقت مقررہ کے بعد وہ عورت جس نے لڈو کھایا تھا ایک لڑکے کی ماں بن گئی۔ لیکن دوسری جس نے لڈو ریت میں دبا دیا تھا، اولاد سے محروم رہی۔ اسے سخت افسوس اور شہمائی ہوئی۔ بچے کی پیدائش کے دو ماہ بعد صاحب اولاد عورت بچے کو ساتھ لے کر بابا صاحب کی خدمت میں روانہ ہوئی تاکہ ناگ پور میں بال اتارنے کی رسم انجام دے۔ اس نے اپنی بیوی کو بھی جو اولاد سے محروم رہی تھی ساتھ لیا اور کہا: "فکر نہ کر۔ بابا حضور سے

دوبارہ کہیں گے۔ جھگڑانے چاہا تو تیرے آنگن میں بھی بہار آئے گی۔" پہلی دن میں روتی اور افسوس کرتی جھوٹا ساتھ ہوئی۔ جب یہ دونوں بابا صاحب کے پاس پہنچیں تو عجیب بات کہی کہ بابا صاحب ندی کے کنارے اسی مقام پر بیٹھے ہوئے ہیں جہاں ان کی خدمت میں پہلی بار حاضری دی تھی۔ ہمارا عورت نے اپنا بچہ بابا صاحب کے قدموں میں رکھ دیا۔ منتظر دیکھ کر دوسری عورت تاب نہ لا سکی۔ روتی ہوئی بابا صاحب کے قدموں پر گری اور کہا: "بابا جی، میرا بچہ؟" بابا صاحب نے جواب دیا: "ریت میں ہے۔ نکال لے۔" لوگوں نے یہ منظر دیکھا تو حال پوچھا۔ عورت نے سارا ماجرا سنایا اور کہا کہ جب تک بابا صاحب مجھے آشر داد دے کر روانہ نہ کریں گے۔ میں یہاں سے نہیں جاؤں گی۔ تیسرے روز بابا صاحب نے اس عورت کو دُعا سے نواز کر روانہ کیا اور وہ بھی صاحب اولاد ہوئی۔

### انگو موت

عبدالحسن صاحب، فردٹ مرحٹ بیان کرتے تھے کہ ہم لوگ نیاز کی غرض سے بابا تاج الدین کی خدمت میں واکیں گئے۔ اچھی کھانا پکانے کا سامان ہو رہا تھا کہ باول چھا گئے۔ جلدی جلدی چاول وگ میں ڈالے جاتے تھے کہ بارش شروع ہو گئی۔ وگوں کے نیچے کی آگ بجھ گئی اور ایندھن کی ٹکڑیاں بہ گئیں۔ وہاں موجود لوگوں نے ہمارا مذاق اڑانا شروع کر دیا کہ ان کی توبت ہی خراب تھی جب ہی ٹکڑی وغیرہ بج گئی۔ ہم لوگ شرمندہ ہوئے اور ارادہ کیا کہ جب بارش ٹک جائے گی تو دوسری وگ چڑھائیں گے۔ اتنے میں ایک قیدی جس کے چہرے میں ہتکڑیاں پڑی ہوئی تھیں، دو تین کانٹیلوں کے ہمراہ بابا صاحب کے پاس آیا۔ اس نے بابا صاحب سے عرض کیا: عدالت نے مجھے چھانسی کی سزا سنائی ہے اور میں



اجازت لے کر آپ کے درشن کے لئے آیا ہوں۔ مجھے آشیرداد دیجئے کہ میری کمٹی ہو جائے۔ بابا صاحب نے فرمایا: "جارسے، اٹنے ہاتھ سے سلام کہہ کے آ، بری ہو جائے گا۔" یہ کہہ کر بابا صاحب نے میرے والد صاحب سے کہا: "ان کو نیاز کا کھانا کھلا۔" ہم نے اٹھ کر دیگر کھوئی تو کیا دیکھتے ہیں کہ کھانا پکا پکا یا تیار ہے، حالانکہ اس کے بچے کوئی آگ نہیں تھی۔ اور اس وقت بھی سچو پڑ رہی تھی۔ ہم نے بشمول قیدی تمام حافرن کو کھانا کھلایا۔ میرے والد نے قیدی سے پوچھا کہ تمہیں کس بات پر سزا ہوئی ہے۔ اس نے بتایا کہ میں نے اپنے ملازم کو اپنی لڑکی کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں دیکھ کر چاہا کہ دونوں کو قتل کر دوں لیکن لڑکی فسرار ہو گئی اور ملازم میرے ہاتھوں مار گیا۔ اب مجھے یقین ہے کہ اپیل کروں گا تو بری ہو جاؤں گا کیوں کہ بابا صاحب نے اپیل کرنے کا اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس نے اپیل کی اور موت کی سزا سے بری ہو گیا۔

## دست گیر

بستی کی ایک طوائف بیان کرتی ہیں: جب سے میں نے حضور بابا صاحب کا تذکرہ سنا اور آپ کی خبر پوری، خطا کاروں کی پردہ داری اور ان پر شفقت و محبت کے واقعات سنے مجھے بابا صاحب سے دلی تعلق ہو گیا۔ اور میں نے خود کو بابا صاحب کے ارادہ مندوں میں شمار کرنا شروع کر دیا۔ ایک دفعہ میں اپنی خطا کاریوں کے باعث آنکھ میں مبتلا ہو گئی۔ میری حالت اتنی خراب ہو گئی کہ میں نے خود کو بالافانے سے گر کر جان دینے کا ارادہ کر لیا۔ یہ فیصلہ کر کے میں بستر سے اٹھی اور بالافانے کی طرف چلی۔ چلتے ہوئے میری تلخ دوا پر لگی ہوئی حضور بابا صاحب کی تصویر پر پڑی۔ شبیبہ مبارک کو دیکھ کر میں بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور بابا صاحب کو مخاطب کیا: "اے کاش! میں آپ کی

خدمت میں حاضر ہو جاتی تو آج میری یہ حالت نہ ہوتی۔ اور مجھ سے ایسے قبیح افعال نہ ہوتے۔" میں رو رو کر بابا صاحب سے اپنے دلی جذبات کا اظہار کر رہی تھی۔ یکایک محسوس ہوا کہ کسی غیبی ہاتھ نے میرا ہاتھ پکڑا اور سینے کی جانب لے کر مہلار میں بے اختیار اس قوت کے زیر اثر جا کر بستر پر لیٹ گئی۔ لیٹے لیٹے مجھ پر غنودگی کا غلبہ ہوا اور میں نے دیکھا کہ حضور بابا صاحب تشریف لائے۔ اپنی انگشت شہادت سے لعاب دہن لگایا۔ پھوٹا پھٹ گیا اور مواد خارج ہونے لگا۔ میری آنکھ کھل گئی اور دیکھا کہ واقعی مواد بہ رہا ہے۔ اس کے بعد سے اس مرض کا کتل خاتمہ ہو گیا اور میں نے گناہ آلود زندگی سے توبہ کر لی۔ اب ہر وقت بابا صاحب کا تصور میرے ساتھ رہتا ہے اور مجھے بابا صاحب کے تعلق سے ایسا دلی اطمینان نصیب ہوا ہے جس کا لطف بیان کرنا میرے بس میں نہیں۔

دوست حال میں سارا ہے | سید عبد الرحمن صاحب جو سی۔ پی گورنمنٹ کے فارمٹ کنٹرولر تھے، روایت کرتے ہیں کہ ایک

دفعہ میں بابا نانق الدین کے پاس موجود تھا کہ ایک چور بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک طرف بیٹھ کر دل ہی دل میں بابا صاحب سے مخاطب ہوا کہ حضور! مجھ سے چوری کا ارتکاب ہوا ہے اور میں نے ایک حلوائی کے ہاں چوری کی ہے۔ میں اس فعل پر کشتِ ناوم ہوں۔ چاہتا ہوں کہ آپ میری پردہ داری کرتے ہوئے مجھے سزا سے بچا لیجئے۔ اس خاموش عرض کے جواب میں بابا صاحب نے اس کی طرف رخ کر کے کہا: "بھاگ جا، تیرا کام ہو گیا۔"

اتنے میں وہ حلوائی بھی جس کے ہاں چوری ہوئی تھی، حاضر دربار ہوا۔ اور فریاد کی کہ حضور! میں لٹ گیا۔ میری تمام کمائی کسی نے چرائی۔ بابا صاحب نے ارشاد



فرمایا: ارے جا، دو تھال میں سارا ہے۔ اس کا کام بھی ہو گیا، تیرا بھی ہو جاتا۔  
جا اور دکان کھول!

علائی واپس پہنچا تو معلوم ہوا کہ سارا، ل اور پونجی تو چوری ہو چکی لیکن دو  
تھال چروکھی دانے سے بھرے پٹا گئے ہیں۔ اسے بابا صاحب کا ارشاد یاد تھا کہ دو  
تھال میں سارا ہے۔ اس نے مکمل یقین کے ساتھ ان دو تھالوں سے کاروبار دوبارہ  
شروع کیا۔ حالات بہت تیزی سے اس کے حق میں سازگار ہونے لگے یہاں تک کہ  
پچھلے سے زیادہ معاشی مندرجی حاصل ہو گئی۔

بدکردار لڑکا | گوندیا صاحب یونیٹل میں محرم تھے۔ ان کا بیٹا اندر بدکرداری  
اور بک رومی کے باعث جلندھر کے مرض میں مبتلا ہو گیا اور مرض  
کی پیچیدگی روز بروز اتنی بڑھی کہ علاج کی امید دم توڑنے لگی۔ اس اتر حالت  
میں گوندیا صاحب اپنے لڑکے کو شکر درہ بابا صاحب کی خدمت میں لائے۔ دو  
دن تک بابا صاحب نے کوئی توجہ نہ دی لیکن تیسرے دن اچانک اٹھے اور لڑکے  
کے پاس جا بیٹھے۔ بیٹھنے کے بعد چائے طلب کی اور ایک دو گھنٹہ پی کر مرض اندر  
کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا: بے چائے پی لے!

مرض کی شدت سے لڑکا اپنے ہوش میں نہیں تھا۔ اس نے چائے کی پیشکش  
پر کوئی جواب نہیں دیا۔ بابا صاحب نے دوبارہ کہا: چائے پی لے!

اندر نے پھر بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ تیسری مرتبہ بابا صاحب نے جلال میں  
چائے کا گلاس اندر کے منہ سے لگا دیا۔ بے حس و حرکت اور بے ہوش اندر نے  
ہرنٹ کھول دیے اور چائے حلق سے اترتی چلی گئی۔ گلتا تھا کہ چائے نہیں، آب

جیات اس کے حلق میں جا رہا ہے۔ چائے پینے کے بعد وہ اٹھ بیٹھا اور ایک ہفتہ  
میں مکمل طور پر صحت یاب ہو گیا۔

اجمیر میں ہے | ایک صاحب نے بابا تاج الدین سے درخواست  
کی: حضور! میں اجمیر شریف جانا چاہتا ہوں!

بابا صاحب نے فرمایا: اجمیر میں ہے، کہاں جاتا ہے! یہ کہہ کر بابا صاحب  
نے اُن صاحب کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ وہ صاحب اپنے ماحول سے غبر  
ہو گئے اور دیکھا کہ اجمیر شریف کی سیر کر رہے ہیں۔ کچھ دیر بعد بابا صاحب نے  
ان کے ہاتھ پر سے اپنا ہاتھ ہٹایا تو انہوں نے خود کو بابا صاحب کی خدمت میں  
موجود پایا۔

اس کرامت کی توجیہ قلندر بابا اولیاءؒ کے ان ارشادات سے ہوتی ہے:  
انسان کی ذات کا ایک حصہ داخلی ہے اور دوسرا خارجی۔ داخلی حصہ اصل  
ہے اور خارجی حصہ اس ہی اصل کا سایہ ہے۔ داخلی حصہ میں زمان و مکان دونوں  
نہیں ہوتے لیکن خارجی حصہ میں زمان و مکان دونوں ہوتے ہیں۔ داخلی حصہ میں  
ہر چیز جز و لا تجزئی کی حیثیت رکھتی ہے۔ کسی مکانیت کا احاطہ نہیں کرتی۔ صرف  
مشاہدہ ہوتی ہے۔ مکانیت نہ ہونے کی وجہ سے اس کے اندر زمانیت بھی نہیں ہوتی۔  
مثال کے طور پر ہم کسی عمارت کی ایک سمت میں کھڑے ہو کر اس عمارت کے  
ایک زاویہ کو دیکھتے ہیں۔ جب اس عمارت کے دوسرے زاویہ کو دیکھنا ہوتا ہے تو  
چند قدم چل کے اور کچھ فاصلہ طے کر کے ایسی جگہ کھڑے ہوتے ہیں جہاں سے عمارت  
کے دوسرے رخ پر نظر پڑتی ہے۔ نگاہ کا زاویہ تبدیل کرنے میں چند قدم کا فاصلہ



طے کرنا پڑا اور حاصل طے کرنے میں تھوڑا سا وقفہ بھی صرف ہوا۔ اس طرح نظر کا ایک زاویہ بنانے کے لئے مکائنیت اور زمانیت دونوں وقوع میں آئیں۔ ذرا وضاحت سے اس بات کو یوں بیان کر سکتے ہیں کہ جب ایک شخص لندن ٹاور کو دیکھنا چاہے تو کراچی سے سفر کر کے اس کو لندن پہنچنا پڑے گا۔ ایسا کرنے میں اس کو ہزاروں میل کی مسکنیت اور کئی دنوں کا زمانہ لگانا پڑا۔ اب نگاہ کا وہ زاویہ بنا جس سے لندن ٹاور دیکھا جاسکتا ہے۔ مقصد صرف نگاہ کا وہ زاویہ بنانا تھا جو لندن ٹاور کو دکھاسکے۔ یہ انسان کی ذات کے خارجی حصہ کا زاویہ نگاہ ہے۔

اس زاویہ میں مکائنیت اور زمانیت استعمال ہونے سے کثرت پیدا ہوگئی۔ اگر ذات کے داخلی زاویہ نگاہ سے کام لینا ہو تو ہم اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے ذہن میں لندن ٹاور کا تصور کر سکتے ہیں۔ تصور کرنے میں جو نگاہ استعمال ہوتی ہے وہ اپنی ناتوانی کی وجہ سے ایک دھندلا سا خاکہ دکھاتی ہے لیکن وہ زاویہ ضرور بنادیتی ہے جو ایک طویل سفر کر کے لندن ٹاور تک پہنچنے کے بعد ٹاور کو دیکھنے میں بنتا ہے۔ اگر کسی طرح نگاہ کی ناتوانی دور ہو جائے تو زاویہ نگاہ کا دھندلا خاکہ روشن اور واضح نظارے کی حیثیت اختیار کر سکتا ہے۔ اور دیکھنے کا مقصد بالکل اس ہی طرح پورا ہو جائے گا جو سفر کی جدوجہد اور سفر کے بہت سے وسائل استعمال کرنے کے بعد پورا ہوتا ہے۔

بابا تاج الدین اولیاؒ نے معرفت کے ذریعے سائل کی نظر میں وہ زاویہ پیدا کر دیا جو جمیر شریف کے نظارے کے لئے درکار تھا اور اس نے جمیر شریف کی سیر بالکل اسی طرح کر لی جیسے وہ وہاں موجود ہو۔

یہ اپنا چارٹے گا | مسٹر دی ایس سوم سندرم کہتے ہیں کہ جن دنوں ہم شکرورہ میں مقیم تھے، میری لڑکی بابا صاحب کی خدمت میں جاتی تو اس کا بیباک مددگار گویا ہوتا تھا۔ مددگار ہال بات بات پر مدد کرتا تھا۔ ایک دن بابا صاحب نے مدد سے کہا: کیوں رے! ماں کو ستاتا! یہ کہہ کر ایک کتاب مددگار کو ہال کو دی اور کہا: یہ پڑھو! پھر لڑکی سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا: یہ اچھا پڑھے گا! بابا صاحب کی بشارت پوری ہوئی۔ مددگار ہال نے ایم بی بی ایس کی ڈگری لینے کے بعد برطانیہ سے امر جن چشم کی سرجری کی اعلیٰ ڈگریاں لیں۔

بارش میں آگ | ایک دفعہ سخت خشک سالی ہوگئی۔ پانی کی کمی سے فصلیں تناثر ہونے لگیں اور چارے کی کمی پانی سے مولشی مرنے لگے۔ کچھ لوگوں نے بابا تاج الدین سے کہا: باباجی! بارش نہ ہونے سے اناج ہنسنا ہو گیا ہے۔ اور عوام کو سخت پریشانی کا سامنا ہے! بابا صاحب یہ سن کر شکر لائے اور جنگل کی طرف چل دیئے۔ لوگ ساتھ ہوئے۔ ایک گاؤں میں پہنچے تو وہاں کے کسانوں نے بابا صاحب سے کہا: بابا صاحب! خشک سالی سے ہمارے فصلیں تباہ ہو رہی ہیں اور مولشی مر رہے ہیں!

یہ شکر بابا صاحب کی کیفیت ایک دم بدل گئی۔ جلال میں آکر پانی طلب کیا۔ ایک کسان نے ٹوٹے میں پانی بھر کر پیش کیا۔ بابا صاحب نے ٹکڑیاں جمع کر کے آگ جلائی اور ٹوٹے کی ٹوٹی سے تھوڑا تھوڑا پانی آگ پر ڈالنا شروع کیا۔ پانی کے قطرے سنگتی ٹکڑیوں پر گرے اور لمحہ بھر میں بھاپ بن کر اوپر کاڑھ کرتے۔ جوں جوں یہ آبی بخارات اوپر جا رہے تھے لوگوں نے دیکھا کہ آسمان پر آلود ہوتا جا رہا تھا۔ ٹوٹے



کاپانی ختم ہوتے ہی آسمان بادلوں سے ڈھک چکا تھا اور کچھ عمارتیں بابرش  
شروع ہو گئی۔

## چھوٹ چھا

دربار تاج الدلیار کے حاضر باش لوگوں، عقیدت مندوں اور  
زائرین کا معمول تھا کہ وہ مختلف قسم کے کھانے پکا کر بابا صاحب  
کو پیش کرتے۔ بابا صاحب کسی میں سے کچھ کھا لیتے۔ باقی کھانا وہاں موجود لوگ کھاتے۔  
کبھی ایسا بھی ہوتا کہ کئی دن گزر جاتے لیکن ایک لقمہ بھی بابا صاحب کے حلق سے نہ  
پڑتا۔ کھانا پکا کر پیش کرنے والوں میں بڑے بڑے صاحب حیثیت لوگ، عالم، روضا  
اور نواب تک شامل تھے۔

ایک بہترانی دہندو خاک رعب لورت، کی دلی تمنا تھی کہ وہ بھی کچھ پکا کر بابا  
صاحب کی خدمت میں پیش کرے۔ ایک عرصہ سے یہ خواہش اس کے دل میں پھل رہی  
تھی۔ لیکن یہ سوچ کر اس کی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ بابا صاحب کے حضور کھانا پیش کرنے  
والوں میں بڑے بڑے ائمہ اور کچھ ذات کے لوگ ہوتے ہیں۔ مجھ بیچ ذات کو کون  
پوچھے گا۔ یہ نہیں لوگ یہ کھانا پیش کرنے کی اجازت دیں گے بھی یا نہیں۔ غلاموں کے ہاتھوں  
مجبور ہو کر ایک دن وہ اپنی بسا کے مطابق کھانا پکا کر شکر درہ تائی کی بیچ ذات جاتے  
کے خیال نے اس کے بڑھتے ہوئے قدم پھر روک دیئے۔ خوف کے مارے اس نے اپنا  
کھانا ایک امروہ کے درخت سے باندھ دیا۔

بابا تاج الدین راجہ رگوجی کے محل میں موجود تھے۔ کھانے کے وقت انہوں  
نے کھانا طلب کیا۔ حاضرین نے اپنے اپنے توشے دان کھول کر پیش کئے۔ بابا صاحب نے  
کسی کی طرف توجہ نہیں دی۔ فرمایا: یہ نہیں کھاتے۔ وہ کھانا لاؤ جو درخت سے بندھا ہے

کسی کی ہمد میں یہ بات نہیں آئی کہ کون سا کھانا ہے جو درخت سے بندھا ہے۔ حاضرین  
اور امروہ دیکھ کر خاموش ہو رہے۔ یہ صورت حال دیکھ کر بہترانی دُور جا کر ایک جگہ بیٹھ  
گئی اور وہاں سے یہ منتظر دیکھنے لگی۔ لوگوں نے بارہا کوشش کی کہ بابا صاحب کی تشریف  
سے کھانا کھالیں لیکن بابا صاحب نے کسی کھانے کو ہاتھ نہیں لگایا۔ آپ برابر ہی کد رہے  
تھے کہ وہ کھانا لاؤ جو درخت سے بندھا ہے۔ کچھ دیر بعد بابا صاحب خود اٹھے اور محل  
سے باہر اسی امروہ کے درخت کے پاس پہنچے جس سے بہترانی کا کھانا بندھا ہوا تھا۔ انہوں  
نے توشہ دان اتار کر کھولا اور وہیں بیٹھ کر کھایا۔

لوگ یہ معلوم کرنے میں ناکام گئے کہ توشے دان کا مالک کون ہے۔ آخر  
بہترانی نے جا کر سارا معاملہ بتایا۔ اور خود منہ پر خوشی سے جھومنے لگی۔  
اس کی دلی مراد پوری ہو گئی۔

## مناسکب حج

ایک ضعیف امیر صاحب صدر اس سے بابا صاحب کے  
پاس آئے اور کہا: حضور! آپ کے پاس راجہ نواب  
اور صاحب حیثیت لوگ بھی آتے ہیں۔ کسی سے اتنی رقم دلوا دیجئے کہ میں حج بیت اللہ  
کی سعادت حاصل کر لوں۔ یہ میری سب سے بڑی خواہش ہے۔

بابا صاحب نے انہیں اطمینان دلایا۔ دن گزرتے گئے۔ یہاں تک کہ حج پر  
جانے کا وقت قریب آگیا۔ ان صاحب نے دوبارہ عرض کیا۔ بابا صاحب خاموش  
رہے۔ اسی خاموشی میں حج پر جانے کا وقت بھی گزر گیا۔ یہ صاحب نہایت مضطرب  
اور بے چین حج سے ایک روز پہلے بابا صاحب کی خدمت میں آئے اور عرض کیا حضور  
کل سے حج شروع ہو جائے گا لیکن آپ نے حج پر جانے میں جبر کی کوئی تدبیر نہیں کی۔



اگلے دن بابا صاحب معمول باہر نکلے تو ان صاحب نے دوبارہ اپنی بے معنی اور محسوس کا ذکر کیا۔ بابا صاحب نے ان کا ہاتھ پکڑا اور کچھ دوسرے جا کر ایک جگہ پر بٹھا دیا۔ بیٹھے بیٹھے ان صاحب کی ہلکی بوجھل ہو گئیں اور وہ وہیں لیٹ گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہ مکہ میں موجود ہیں اور حاجیوں کے ساتھ مناسک حج ادا کر رہے ہیں۔ وہیں پڑے پڑے انہوں نے تمام مناسک حج ادا کرتے خود کو دیکھا۔ حج کا وقت ختم ہوا تو بابا صاحب وہاں پہنچے اور ان سے کہا: کیا نہیں پڑا رہے گا؟ ضعیف العمر صاحب کے چوڑوں میں حرکت ہوئی اور وہ اٹھ کرستانہ دار بابا صاحب کے ساتھ ہو گئے۔ یہ ضعیف العمر مدرسہ کی صاحب بعد میں "نانا" کے نام سے مشہور ہوئے اور آخر وقت تک تان آباد میں رہے۔

اس کرامت کے اصول کو سمجھنے کے لئے ہمیں خواب اور بیداری کا مختصر جائزہ لینا ہوگا۔ ہم اپنی پوری زندگی دو حواس میں گزارتے ہیں۔ ایک خواب، دوسرے بیداری۔ خواب اور بیداری، ہماری زندگی دو حالتوں میں سفر کرتی رہتی ہے فرق صرف حواس کی نوعیت میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَشْرَارُ (خواب) کو داخل کرتا ہے دن (بیداری) میں اور دن کو داخل کرتا ہے رات میں، زندگی کو موت سے نکالتا ہے اور موت کو زندگی سے نکالتا ہے۔

رات کے حواس میں مکانی اور زمانی فاصلے حصر ہو جاتے ہیں لیکن دن کے حواس میں یہی فاصلے زندہ ہو جاتے ہیں۔

زید خواب دیکھتا ہے کہ وہ اپنے ایک دوست سے باتیں کر رہا ہے حالانکہ اس کا دوست دور دراز فاصلے پر رہتا ہے۔ خواب میں زید کو یہ احساس بالکل نہیں ہوتا کہ اس کے اور دوست کے درمیان کوئی فاصلہ ہے۔ ایسے خواب میں مکانی فاصلے صفر ہوتے ہیں۔ اس ہی طرح زید گھڑی دیکھ کر رات کے ایک بجے سوتا ہے۔ خواب میں ایک ملک سے دوسرے ملک تک ہفتوں کی فاصلہ کا سفر کرنا ہے، راستے میں اونٹن سفل پر قیام بھی کرتا ہے، ایک طویل مدت گزارنے کے بعد گھر واپس آتا ہے، آگکھ کھلتے ہی گھڑی دیکھتا ہے۔ اب بھی ایک ہی بجا ہے۔ اس قسم کے خواب میں زمانی فاصلہ صفر ہوتا ہے۔ رات کے حواس میں جو فاصلے مڑہ ہو جاتے ہیں، وہی فاصلے دن کے حواس میں زندہ ہو جاتے ہیں۔ بیداری ہو یا خواب دونوں حالتوں میں ہمارے احوال مشترک ہوتے ہیں۔ کوئی ایسا کام ہے جو ہم بیداری میں کرتے ہوں اور خواب میں نہ کرتے ہوں جس طرح صرف حواس کی نوعیت کا ہے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ ہم خواب کی حالت میں بے اختیار ہو جاتے ہیں اگر کسی طرح ہم خواب کے حواس کو استعمال کرنا سیکھ جائیں جیسا کہ ہم بیداری کے حواس کو استعمال کرنا جانتے ہیں تو ہم زمان و مکان سے آزاد ہو کر حسبِ نشار کام انجام دے سکتے ہیں۔ انبیائے کرام کے اندر یہ صلاحیت بدرجہ کمال موجود ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے خواب اور بیداری میں فرق نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ انبیاء سوتے ہیں لیکن ان کا قلب جاگتا رہتا ہے۔

جب حج کے متمنی شخص نے مذکی تو بابا صاحب نے تقرن کے ذریعے اس کی



سیداری کی حالت کو غراب میں منتقل کر دیا اور جسم خاک کے ساتھ ڈھال موجود پہلے کے  
بادجو در زمان و مکان سے آزاد ہو کر مناسک حج پورے کئے۔

**ایک آدمی، دو جسم؟** | مددگار کے رہنے والے ایک برہمن کی آفس  
میں کام کرتے تھے۔ انہوں نے آفس سے چار

روز کی چٹلی اور بابا تاج الدین کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے۔ جب رخصت کی  
سیاحت ختم ہونے لگی تو انہوں نے بابا صاحب سے واپسی کی اجازت چاہی لیکن بابا صاحب  
نے اجازت نہیں دی۔ ایک ہفتہ بعد دوبارہ اجازت مانگی تو بھی بابا صاحب نے کوئی

جواب نہیں دیا۔ ایک ماہ بعد بابا صاحب نے اجازت دی تو یہ فکر و تردد میں مبتلا گھر پہنچے

کہ ایک ماہ کی غیر ماضی کی وجہ سے نہ جانے گھر والوں کا کیا حال ہو اور آفس میں تو سخت  
سرزنش کا سامنا کرنا پڑے گا۔ گھر پہنچے تو نہ بیوی بچوں نے غیر معمولی جذبات کا اظہار کیا  
اور نہ ہی ایک ماہ کی غیر ماضی کو پرچھا۔ ہنسا دھوکہ سفر کی تکان اُتری تو بیوی سے پوچھا کہ

کیا دفتر کا کوئی آدمی مجھے پوچھنے آیا تھا۔ بیوی نے جرات سے ان کا چہرہ دیکھتے ہوئے

جواب دیا کہ دفتر کا کوئی آدمی نہیں آیا تھا لیکن آپ اتنے پریشان کیوں دکھائی دیتے ہیں؟

انہوں نے سارا حال کہہ سنایا۔ اور کہا کہ عجیب بات ہے کہ نہ تم میری ایک ماہ کی غیر ماضی

کا پرچھتی ہو اور نہ دفتر والوں کو میری پر دہے۔ بیوی نے غیر معمولی نظروں سے دیکھتے

ہوئے کہا کہ آپ مذاق کیوں کرتے ہیں، دفتر کا وقت ہو گیا ہے، دفتر چلیے۔ دفتر میں

بھی ہر شخص معمول کے مطابق پیش آتا رہا کسی کارویہ غیر معمولی نہیں تھا۔ یہ صاحب

سخت جرات و استعجاب میں مبتلا ہو گئے اور عالم تصور میں بابا صاحب سے مخاطب

ہوئے کہ یہ کیا معاملہ ہے، کوئی مجھ سے غیر ماضی کو نہیں پرچھتا۔ ابھی وہ اس قسم سے

مبتلا ہی تھے کہ چہرہ ہی نے اگر کہا کہ صاحب نے وہ قائل منگوائی ہے جو کل دو بجے

قائل نہ کر افسر کے پاس پہنچے اور کہا کہ میں تو ایک ماہ تک شکر و درہ میں بابا تاج الدین

کے پاس ٹھہرا رہا لیکن یہاں آکر عجیب معاملے سے دوچار ہوں۔ نہ گھر والے میری

غیر ماضی کو پرچھتے ہیں اور نہ دفتر والوں کو مجھ سے شکایت ہے۔ چہرہ ای کا کہنا ہے کہ یہ

قائل کہ آپ نے مجھ کو دیکھا ہے حالانکہ میں پورے ہوش و حواس کے ساتھ کہتا ہوں کہ

میں دفتر ہی نہیں آیا۔ افسر نے حیرت سے کہا کہ آپ تو چار دن کی چٹلی کے بعد دفتر

آگئے تھے اور اس عمر میں سارے دفتری احمد پوری طرح انجام دیتے رہے ہیں؟

شکر و درہ اور مددگار اس دونوں جگہ کی ماضی کا ثبوت ملا تو برہمن صاحب کے

علاوہ سارے دفتر والے انگشت بندھا رہ گئے۔

**بڑے کھلاتے اچھے ہو جاتے** | اکثر ایسا ہوتا کہ بابا تاج الدین جس گاؤں  
یا جس شہر میں رکتے، تو وہاں آپ کے

اشارے پر بڑے بھیجے تقسیم کئے جاتے اور وہاں موجود کوئی شخص ان کی قیمت

بڑے والے کو ادا کر دیتا۔ ایک بڑیا بہت بیمار ہوئی اور منت مانی کہ اگر میں

صحت یاب ہو جاؤں تو لوگوں میں بڑے بڑاؤں گی۔ اس کو صحت نصیب ہوئی۔

وہ اپنے گاؤں سے بابا صاحب کی خدمت میں آئی اور بطور نیاز عمدہ اور دافتر مقدراً

میں کھانا پکا کر لوگوں کو کھلایا۔ جب گھر واپس گئی تو دوبارہ بیمار ہو گئی۔ دوبارہ بابا صاحب

کی خدمت میں حاضر ہو کر اس نے عرض کیا: حضور! میں نے منت مانی اور صحت یاب

ہوئی لیکن اب پھر اسی بیماری نے پکڑ لیا ہے؟

بابا صاحب نے فوراً جواب دیا: لوگوں کو بڑے کھلاتے، اچھے ہو جاتے:



یہ سنکر بڑھیا کو یاد آیا کہ اس نے بڑے ہانسنے کی منت مانی تھی۔ چنانچہ بڑھیا نے لوگوں کو بڑے کھلائے اور اس کو دوبارہ صحت حاصل ہو گئی۔

**مندر لڑکی** | راجہ رگوجی راؤ کے ملازم منشی نور علی صاحب کا بیان ہے کہ ایک رات آٹھ بجے کے قریب علی خاں صاحب کھانا لے کر بابا صاحب کی خدمت میں آئے اور بابا صاحب سے امر کیا کہ کھانا کھالیں۔ بابا صاحب نے جواب دیا: میسر ہے! میرا مہمان آیا ہے۔ اس سے مل لوں، تب کھاؤں گا۔

یہ کہہ کر بابا صاحب اُٹھے، اقیام گاہ سے نکل کر روانہ ہوئے۔ صدر دروازے سے نکل کر آگے بڑھے اور پہل پر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد ایک عورت پہل کی طرف آئی۔ نظر آئی۔ یہ عورت جھانسی کی رہنے والی تھی اور اس نے اپنی لڑکی کو اٹھا رکھا تھا جو ہاتھ پیروں سے بندھ رہی تھی۔ اس نے لڑکی کو بابا صاحب کے قدموں میں ڈال دیا۔ بابا صاحب اُٹھے اور لڑکی کے دوپٹے کو پکڑ کر حکم دیا: اٹھو! لڑکی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بیٹھی رہی۔ دوسری بار بابا صاحب نے ڈانٹ کر فرمایا: اٹھو! لڑکی نے خوف زدہ ہو کر اٹھنے کی کوشش کی لیکن اٹھ نہ سکی، گر پڑی۔ تیسری بار جلال اور حکم کی جلی کیفیت میں کہا: اٹھو! لڑکی ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ بابا صاحب یہ کہتے ہوئے اپنی قیام گاہ کی طرف بڑھے: میرے پیچھے میرے ساتھ چلو۔ وہ لڑکی اپنے پیروں پر قیام گاہ تک گئی۔ کچھ دن تک وہ لڑکی شکر درہ میں رہی اور مکمل صحت یاب ہو کر اپنے گھر چلی گئی۔

**کالے اور لال منہ کے بندر** | بابا تاج الدین کے فیض یافتہ حضرت محمد عبدالعزیز عرف ناما میاں صاحب کا کہنا ہے

کہ میرے ایک دوست جو پولیس میں ہیڈ کانسٹیبل تھے، بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بابا صاحب نے ان سے کہا: کالے منہ کے بندر لال منہ کے بندر ہوتے ہیں۔ یہ بات میرے دوست کو بری لگی اور دل میں سوچا کہ عجیب آدمی ہیں کہ مجھے کالے منہ اور لال منہ کے بندر کہہ رہے ہیں۔ ضرور یہ جنموط الحواس ہیں جنہیں لوگوں نے برگزیدہ ہستی کا درجہ دے دیا ہے۔

ہیڈ کانسٹیبل صاحب جب اپنے وطن رائے پور پہنچے تو وہاں کے ڈی ایس پی نے ان کو اپنا پی۔ اے مقرر کر دیا۔ اور کچھ دنوں بعد سب انسپکٹر کی ٹریننگ کے لئے ساگر بھیج دیا۔ جب یہ مجھ سے ملنے آئے تو سب انسپکٹر ہو چکے تھے اور ان کی درجہ کالے رنگ سے بدل کر سرخ رنگ کی ہو گئی تھی جو سب انسپکٹر کی درجہ ہوتی تھی۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ بابا صاحب کا کہنا بالکل سچ نکلا۔ کالے منہ کے بندر لال منہ کے بندر ہونے کا مطلب میری ترقی کی طرف اشارہ تھا۔ یہ سنکر مجھے (راوی کو) بھی بابا صاحب کی ذات پر شش محسوس ہوئی اور میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

**سونابنائے کانسٹیبل** | عبدالرزاق صاحب کا بیان ہے کہ میرے ماموں کو سونا گری سونا بنانے کا نسخہ کا جزون کی حد تک شوق تھا۔ اور انہوں نے اس کام پر سینکڑوں روپے برباد کر دیے تھے۔ ایک دفعہ کسی صاحب کمال سے ملاقات ہوئی۔ اس نے بتایا کہ دوسو برس پرانے مکانوں کی دیواروں پر ایک خود دوڑی اگ آئی ہے۔ اس بوٹی کی پہچان یہ ہے کہ اس سے شخرف کا کشتہ باورن ہو جاتا ہے جو کہ تلخے کو زنگتا ہے۔ ماموں صاحب اپنے گھاؤں سے ناگ پور آئے اور ایک پلانے اور بوسیدہ مکان سے مطلوبہ بوٹی کو حاصل کر لیا۔ بوٹی حاصل کرنے کے بعد سوچا کہ



پہلے بابا تاج الدین رحمہ کے پاس حاضر ہوئی دینی چاہیے۔ اور ان کی دُعا کے بعد بھی دکانی چاہیے تاکہ کامیابی نصیب ہو۔ شکر درہ بابا صاحب کی خدمت میں پہنچے تو دیکھا کہ بابا صاحب رحمہ تانگے پر سوار جا رہے ہیں۔ بابا صاحب رحمہ کے گلے میں پھولوں کا ایک گہوارا تھا۔ اس میں تلسی کے پتے بھی لگے ہوئے تھے۔ بابا صاحب رحمہ نے اُس گہوے میں سے تلسی کا ایک پتہ نکال کر ماموں صاحب کو دے دیا۔ انہوں نے برکت کے لئے بوٹی کے مصالحے میں تلسی کا پتہ بھی شامل کر دیا۔ اس مصالحے کو آزمایا تو شہرت کا کشتہ ہم وزن تیار ہو گیا۔ اس یقینی آزمائش کے بعد اس بوٹی اور تلسی کے پتے کے سنوٹ کو تانبے پر استعمال کیا تو سونا تیار ہو گیا جسے بازار میں فروخت کر دیا۔ اس کے بعد ماموں صاحب نے ہر ممکن کوشش کر لی لیکن اس بوٹی سے سونا تیار نہیں ہو سکا جس سے پہلے تیار ہو گیا تھا اور نہ پھر بھی بابا صاحب رحمہ نے انہیں کوئی تلسی دیکھ کر دیا۔

## درشن دیوتا

حضرت بابا تاج الدین رحمہ سے ہر مذہب و ملت اور ہر عقیدہ کے لوگوں نے فیض پایا۔ ان کے فیض کا دریا بھر خوشک اور زرخیز زمین دونوں کو کسی امتیاز کے بغیر سیراب کرتا تھا۔ ہر شخص اپنے ظرف کے مطابق بابا کی نظر کرم سے مستفیض ہوتا تھا۔

جناب بہادر پرشاد صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک سادھو سے ملاقات کے دوران حضور ہمارا ج بابا صاحب کا ذکر آگیا تو انہوں نے ناک جھون چڑھا کر کہا: ہم جہنم کے برگ جس کی جیسز کی کہ ہے جو تم ایک مسلمان فقیہ کے والد و شہید ہو رہے ہو؟ میں نے ان سے کہا کہ آپ بابا صاحب کی خدمت میں ایک بار حاضر ہو کر تو دیکھئے۔ چنانچہ میں سادھو صاحب کو لے کر شکر درہ حاضر ہوا۔ بابا صاحب محل کے اندر تشریف

رکھتے تھے۔ ہم دُور کھڑے ہو کر محل کی طرف ہلکتی باندھ کر درشن کا انتظار کرنے لگے۔ ہم نے بیکار دیکھا کہ ہم جس جگہ کھڑے ہیں وہاں نہ کوئی محل ہے نہ آشرم۔ ہم کبھی مذی کے کنارے شکر جی کا درشن کرتے ہیں، کبھی رام چند جی کو دیکھتے ہیں۔ اور کبھی خود کو کوشن جی کے پاس دیکھتے ہیں۔ ہم نے ایک لمحے میں سارے اقداروں کے درشن کر لئے۔ اتنے میں لوگوں کی آوازیں گونج اٹھیں اور ہم نے دیکھا کہ ہم شکر درہ کے محل کے سامنے کھڑے ہیں اور سامنے بابا صاحب رحمہ کھڑے ہوئے تھے۔ ہم دونوں بے اختیار بابا صاحب کے قدموں میں گر پڑے۔ اور اس کے بعد جو کچھ گزری وہ پر جو ہی جانتے ہیں۔

اسی طرح ایک دفعہ تین سادھوؤں نے اسی قسم کے خیالات کا اظہار بابا صاحب سے متعلق کیا۔ میں جب ان سے ملاقات کر کے واپس گھر آیا اور رات کو سويا تو حالت خواب میں دیکھا کہ بابا صاحب میرے گھر تشریف لائے۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور اپنی بیوی سے کہا کہ اچھا، فوراً چائے بناؤ۔ دیکھتی نہیں ہو کہ آج بابا صاحب نے ہمارے گھر تشریف لاکر ہیں کتنی عزت بخشی ہے! میری بیوی نے چائے بنا کر پیش کیا۔ بابا صاحب رحمہ نے چائے پی اور فرمایا: چل رہے تیرے کو تیرے گھر لائوں؟

بابا صاحب کے ساتھ میں گھر سے باہر نکلا تو انہوں نے فرمایا: ان تینوں سادھوؤں کو بھی ساتھ لے لو!

چنانچہ میں نے ان سادھوؤں کو بھی ساتھ لے لیا۔ آگے آگے بابا صاحب تھے اور میان میں سادھو اور پیچھے میں۔ لمحے بھر میں ہم تیس پہنچ گئے اور درشن کے بعد گیا جی پیر کو وہاں جی درشن کئے۔ بابا صاحب سے فرمایا: چلو، لیکن ناتھ جی کا بھی درشن کر لیں!



ہم لوگ جگن ناتھ جی پہنچے اور ورن سے فارغ ہو کر بازار میں آئے۔ ایک سادھو نے مجھ سے کہا: جگن ناتھ جی کی نشانی ایک لوٹا دلاؤ۔

میں نے ایک دکان پر لوٹے کی قیمت پوچھی تو دکاندار نے تین یا چار روپے بتائی۔ میں نے دکان دار سے مناسب قیمت دریافت کی تو اس نے کہا یہی مناسب قیمت ہے۔ میں نے فوراً قیمت ادا کی اور لوٹا لے کر سادھوؤں کے حوالے کر دیا۔

شام کو جب سادھوؤں کے استھان پہنچا تو وہ لوگ وہاں موجود نہیں تھے میں شکر درہ کی طرف روانہ ہو گیا تاکہ بابا صاحب کی زیارت کروں۔ میں نے وہاں محل کے صدر دروازے کے قریب ان تینوں سادھوؤں میں سے ایک کو بیٹھنے دیکھا ایک طرف وہی لوٹا رکھا ہوا تھا جو میں نے جگن ناتھ جی سے خرید کر ان کو دیا تھا۔ میں یہ لوٹا دیکھ کر حیران رہ گیا۔ میں ہی سوچ رہا تھا کہ جگن ناتھ جی کی زیارت اور لوٹا خریدنے کا واقعہ عالم بیداری میں ہو یا خواب میں۔ میں نے سادھو سے پوچھا: آپ یہاں کس لئے آئے ہیں اور یہ لوٹا کہاں سے لائے ہیں؟

سادھو نے مسکرا کر جواب دیا: بہت جلد بھول گئے آپ! یہ وہی لوٹا ہے جو آپ نے جگن ناتھ جی میں دلا یا تھا۔ میں بھی بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں تاکہ ان سے مکتی (نجات) کا مارگ حاصل کروں۔

سادھو کے منہ سے آنا سننا تھا کہ میں بے خود ہو کر محل کے اندر داخل ہو گیا میں نے دیکھا کہ بابا صاحب بڑی طرف تشریف لارہے ہیں۔ قریب آکر فرمایا: بڑے سادھو کا بیٹے! ڈھائی روپے کے لوٹے کے اتنے دام دے دیئے۔ میں بے تاب ہو کر بابا صاحب کے چروں میں گر پڑا۔

## تحقیق

ہمارا جہ قردلی اور تحصیل دار درگا پرشاد کے گرو خود کو حضرت بابا تاج الدین رحم کا واس کہتے تھے۔ انہوں نے اپنی پوتھی میں بابا صاحب کا فوٹو رکھا ہوا تھا۔ اکثر پوتھی کو کہ فوٹو دیکھا کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ہم نہ مشرک ہیں اور نہ بت پرست۔ ہمیں بابا صاحب نے اللہ اللہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ بس رات دن ہمارا یہی شغل ہے۔

ہمارا جہ قردلی کے گرو سادھو صاحب بیان کرتے تھے: میں بہمن ہوں۔ ایم لے اور ایل ایل بی پاس کرنے کے بعد ناگ پور میں تحصیل دار مقرر ہوا۔ مجھے اپنی بیوی سے شدید محبت تھی۔ اس کا انتقال ہو گیا۔ مجھے سخت صدمہ پہنچا۔ لوگوں نے امر کیا کہ میں شادی کر لوں۔ پہلے تو میں نہیں مانا لیکن بعد میں سوچا کہ جب تک مجھے یہ نہ معلوم ہو جائے کہ شادی کرنا مناسب ہے یا نہیں، شادی نہیں کروں گا۔ پنڈتوں کی بات سے مجھے قطعی اطمینان نہیں تھا۔ اس زمانے میں ناگ پور کے بچے بچے کی زبان پر بابا تاج الدین کا نام تھا۔ میں ان ہندوؤں کو برا بھمکتا تھا جو مسلمان فقیروں کے پاس جاتے تھے۔ چہرہ میرے دل نے کہا چلو، حاضر ہو کر دیکھ لیا جائے۔ زبان سے کچھ نہیں کہوں گا۔ اگر کامل ہیں تو خود جواب دیں گے۔

میں نے ایک ٹوکریلا خرید لیا اور بابا صاحب کے دربار میں حاضر ہوا۔ جیسے ہی میرا ان کا سامنا ہوا، بابا صاحب نے فرمایا: آئیے تحصیل دار صاحب! تاج الدین نے بیوی نہیں کی، آپ بیوی کر کے کیا کریں گے۔ پھر فرمایا: لاؤ کیلا کھلاؤ۔

میں نے کیلا چھیل کر پیش کیا۔ بابا صاحب نے خود اس کا کھانے کے بعد میری طرف بڑھا دیا اور کہا: کھا جاؤ۔



میں برہمن زادہ، چورت چھات کا سختی سے پابند۔ پھر بھی ایک مسلمان کا جوٹا  
کیسا کس طرح کھا گیا، مجھے یاد نہیں۔ کیسا کھاتے ہی جذب طاری ہو گیا اور ہوش و حواس  
ختم ہو گئے۔

گھر والوں کو خبر ہوئی تو پکار کر لے گئے۔ گرم کوبے سے جسم کو دغا لیکن یہی  
حالت دہی رہی اور میں بدستور جذب وستی میں ڈوبا رہا۔ آخر کار مجبور ہو کر فیصلہ کیا کہ میں  
نکود میں لے جایا جائے جہاں سے یہ بیماری نکلے گی ہے۔ میری برادری کو یہ قطعی تصور نہیں تھا  
کہ ایک برہمن کسی مسلمان کے پاس جائے لیکن مجبوری نے بالآخر انہیں آمادہ کرا ہی لیا۔  
بابا صاحب کے دربار میں پہنچے ہی حکم ہوا: زنجیریں کھول دی جائیں۔ یہ اچھلے پھلے  
میں اسی وقت برش میں آ گیا۔

بابا صاحب نے فرمایا: اب تم تحصیل دار نہیں رہے۔  
لوگوں نے کہا: حضور! دیوانگی کی وجہ سے یہ تو کڑی پرہز جا سکے۔ اس نے ان  
کی تو کڑی ختم ہو گئی ہے!

بابا صاحب نے ایک سادے کاغذ پر اپنے دست مبارک سے اپنا نام لکھ  
کر مجھے دیا اور فرمایا: لوچ سرمان! تحصیل دار ہمارے جوتے اٹھائیں گے۔ اشد  
اشد کرتے رہو!

حضور بابا صاحب کا فرمان پورا ہوا۔ تحصیل دار درگاہ پر شاد اور مہاراجہ قرولی  
جیسے لگ میرے جوتے اٹھانا فرماتے تھے۔

محبوب کا دیدار | اجیر شریفیت میں ایک صاحب جذب وستی کے عالم میں  
دکھائی دیتے تھے۔ کھانے پینے کی طرف کوئی خاص توجہ

نہیں تھی۔ لوگ انہیں چائے پلاتے مگر بہت تھوڑی سی مقدار ملتی میں جاتی تھی۔ باقی گر جاتی  
تھی۔ ان صاحب کو حضرت بابا تاج الدین کی ذات بابرکات سے فہم ہوا تھا۔ انہوں  
نے مسندن جا کر بیرٹری کی تعلیم حاصل کی اور وہاں سے سیٹی آکر پیکٹیں کا ارادہ کیا۔ آتش  
کے لئے فرخچر اور دیگر ضروری سامان کی خریداری کے لئے بازار گئے اور خریداری کرنے  
کے بعد بار برداری کا انتظام کرنے لگے۔ اس دوران سانسے عمارت کی کھڑکی کھلی اور  
ایک رُخ زیب پر نظر پڑی۔ نہ جانے کیا دیکھا بہوت ہو کر رہ گئے۔ کھڑکی بند ہو جانے  
کے بعد بھی ان کی نگاہیں اسی طرف مرکوز رہیں۔

صبح سے دوپہر کا وقت ہوا اور پھر شام قریب آنے لگی لیکن وہ بے خودی اور  
دانش کی عالم میں دیدار محبوب کی تمنا کے ساتھ وہیں کھڑے رہے۔ شام کے وقت اُن  
عمارت سے ایک جنازہ باہر نکلا۔ ان کو کسی ذلیل سے معلوم ہوا کہ ان کی دنیا لٹ چکی ہے  
اب وہ اپنے محبوب کے حسین سراپا کو بھی نہیں دیکھ سکیں گے۔

جنازے کے ساتھ ساتھ وہ بھی چلتے رہے اور قبرستان پہنچ گئے۔ جب سب  
لوگ لاش کو سپرد خاک کر کے واپس چلے گئے تو وہ بے تاب ہو کر قبر سے ہٹ گئے  
اور زار و قطار رونے لگے۔ آنسوؤں کی جھڑکی کسی طرح ٹکے کا نام نہیں لیتی تھی۔ روتے  
روتے سورج غروب ہو گیا اور اندھیرا چھا گیا۔ اسی حالت میں دیکھا کہ ایک بزرگ کھڑے  
فرما رہے ہیں: ناگ پورا اگر ہم سے ملے، ہم تاج الدین ہیں!

بزرگ کا لہجہ اس قدر پُر تاثیر تھا کہ محبوب کے مزار کا طوطا کرنے کا ارادہ  
ناگ پور جانے کی شدید خواہش میں بدل گیا۔

ناگ پور پہنچے تو بابا صاحب روٹ کر وہ محل کے چوڑے پردوں پر فروغ دیتے



انہوں نے بابا صاحب کی طرف دیکھا تو نظر آیا کہ بابا صاحب کی جگہ ان کا محبوب بعد ناز و ادا مستند نہیں ہے۔ وہ اس جلوسے کی تاب نہ لاکر عالم مستی میں دوڑے اور محبوب کے قدموں میں جا پڑے۔ لمحے بھر میں بابا صاحب کی نگاہ ضیق سے کہتے ہی امرار و رموز ان پر شکست ہو گئے۔ ہوش آیا تو بابا صاحب نے فرمایا۔  
"جاؤ، اجیر شریعت کی خدمت تمہارے سپرد ہے۔ ہر جگہ ہیں دیکھتے رہو۔ اچھے رہو گے۔"

### پانچ جوتے

ایک روز حضرت بابا تاج الدین ادیار کی خدمت میں ایک ضعیف العمر عالم حاضر ہوئے۔ بابا صاحب نے انہیں دیکھ کر فرمایا: "حضرت، ان کو پانچ جوتے لگاتے ہیں۔" وہاں موجود تمام لوگ حیران ہو گئے لیکن عالم صاحب نے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ خدا کے لئے بابا صاحب کے حکم کی تعمیل کرو۔ ایک خادم نے آہستہ آہستہ پانچ جوتے ان کی پشت پر مار دیئے۔ عالم صاحب پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ جب یہ کیفیت ختم ہوئی تو لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ کو کیا ہو گیا تھا۔ انہوں نے کہا جو راستہ ساری عمر طے نہ ہو سکا وہ آج دن واحد میں طے ہو گیا۔

### بیگم صاحبہ بھوپال

ایک دفعہ بیگم صاحبہ بھوپال نے نہایت اہتمام کے ساتھ اعلیٰ درجے کا کھانا تیار کرایا۔ کھانا تیار کرانے وقت ان کے منہ سے نکلا کہ ایسا کھانا بابا صاحب کو کون کھانا ہو گا۔ جب وہ کھانا تھاں میں بجا کر غواہوں کے سر پر رکھ کر حاضر خدمت ہوئیں تو بابا صاحب نے فرمایا: "یہ کھانا ہمارے کام کا نہیں ہے۔ ایسا کھانا کون کھلا سکتا ہے۔"

بیگم صاحبہ بہت نادام ہوئیں۔

### فاتحہ پڑھو

یوسف حسین خاں، ناظم ریاست جے پور و بارتاج الاویار میں اپنے والد کی صحت یابی کی دعا کے لئے حاضر ہوئے۔ بابا صاحب نے انہیں دیکھتے ہی ان کے شانوں پر پڑی ہوئی شال اتار لی اور زمین پر بچھاتے ہوئے فرمایا: "فاتحہ پڑھو حضرت، فاتحہ! اس کے ساتھ ہی بابا صاحب نے فاتحہ کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔ یوسف حسین خاں صاحب نے بھی ہاتھ اٹھا دیئے اور حاضرین نے بھی۔ فاتحہ کے بعد ناظم صاحب حکیم ظفر جے پوری کے گھر پہنچے تو وہاں تار کے ذریعے خبر آچکی تھی کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا ہے۔ جے پور پہنچ کر معلوم ہوا کہ جس وقت بابا صاحب نے ناگ پور میں ان کے والد کی فاتحہ پڑھی تھی اسی وقت جے پور میں ان کی ناز جنازہ ادا کی جا رہی تھی۔

ABDUS SAMAD

SUSPENDED

بیگم صاحبہ کے بعد القمدمد صاحب دل میں یہ خواہش لئے ہوئے بابا صاحب

کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ انہیں کشف عطا ہو جائے۔ بابا صاحب کے روبرو پہنچے تو آپ بیڑی پی رہے تھے۔ بابا صاحب نے سلگتی ہوئی بیڑی ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا: "یہ لو کشف!"

عبد القمدمد صاحب نے فوراً بیڑی لے کر گہرا کش لگایا۔ قوت کشف انگڑائی لے کر اٹھ اٹھ بھر میں عبد القمدمد صاحب نے اپنے اندر مخفی صلاحیتوں کا بے پناؤ وغیرہ محسوس کیا۔ بابا صاحب نے بہت سے شہروں کے نام تیزی سے لئے اور فرمایا: "جاؤ، ان مقامات پر ہر مرض میں تمہارے پانی سے شفا ہوتی ہے۔"



جید القمد صاحب اپنی مطلوبہ دولت لئے ہوئے واپس ہوئے۔ لوگ اتنی کثرت سے ان کے پاس آنے لگے کہ حکومت کو ریٹسے اسٹیشن اور پولیس اسٹیشن کی تعمیر کرنی پڑی وہ جس پانی میں ہاتھ ڈالتے، وہ جاں بلب مرضی کو بھی بیماری کے مزے سے کینچ لاتا جو القمد صاحب کی شہرت ہندوستان سے نکل کر یورپ تک جا پہنچی۔

ایک دن ایک عورت ان کے پاس حاضر ہوئی۔ یہ زمانہ اس کے مخصوص ایام کا تھا۔ جید القمد صاحب نے ازراہ کشف کہا: ناپاک ہے، نکال دو!

عورت پریشان حال شکستہ دل ناگ پور پہنچی۔ اور شکر ورہ سے باہر سڑی کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئی۔ پچھلے تجربے کی بنا پر وہ حاضر دربار ہونے سے ڈر رہی تھی۔ لیکن دوسری طرف اس کے بچنے کی زندگی اور موت کا سوال تھا۔

ادھر بابا صاحب نے فرمایا: جاؤ دوسری کے نیچے وہ بیٹھی ہے، بلا لانا! ایک عتیدہ قند گنا اور اس کو بلا لایا۔ عورت کچھ فاصلے پر ہی کھڑی ہو گئی اور قریب آنے سے ہچکچانے لگی۔ بابا صاحب نے فرمایا: قریب آؤ اماں! جید القمد ایک لیٹا پانی تھا، گند اہو گیا۔ تاج الدین سمندر ہے۔ یہاں آؤ اماں! عورت فوراً قدم پس ہو گئی۔

بابا صاحب نے فرمایا: گھر جاتے ہیں، بچہ کیلنا مانا ہے، اچھا رہتا ہے: ادھر عورت با مرد واپس ہوئی، ادھر بابا صاحب نے جاشی کی طرف منہ کر کے فرمایا۔ "ABDUS SAMAD SUSPENDED" (جید القمد کو سسپنڈ کیا گیا) ان الفاظ کے ساتھ ہی جید القمد صاحب کی ساری صلاحیتیں سلب ہو گئیں۔

## بدیسی مال

علی حسین صاحب ناگ پور کے تحصیل دار تھے۔ وہ ایک انگریز عورت کی محبت میں گرفتار ہو گئے اور اسے شادی پر رضامند کر لیا عورت کی شرائط یہ تھیں کہ شنگھ اس کے نام رجسٹری کر دیا جائے اور تمام روپیہ بینک میں اس کے نام منتقل کر دیا جائے۔ علی حسین صاحب کو یہ تمام شرائط دل و جان سے قبول تھیں۔ لیکن وہ سوچتے تھے انگریزوں کی حکومت ہے۔ کہیں انگریز عورت سے شادی کرنا کسی خطرے کا باعث نہ بن جائے۔ چنانچہ علی حسین صاحب نے ارادہ کیا کہ بابا صاحب سے دعا کرانی چاہئے۔ خطرہ دور ہو جائے گا۔

بابا صاحب کی خدمت میں وہ شکر ورہ پہنچے۔ اور نائزین کے ہجوم میں ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ وقفہ بابا صاحب نے ان سے مخاطب ہو کر کہا: گھڑی دکھاؤ! علی حسین صاحب نے ہاتھ سے گھڑی اتار کر پیش کی۔ بابا صاحب نے گھڑی کو دیکھا اور واپس دیتے ہوئے فرمایا: حضرت، بدیسی مال اچھا نہیں ہوتا!

علی حسین صاحب مطلب سمجھ گئے کہ یہ شادی ان کے لئے مناسب نہیں۔ لیکن انگریز عورت کی محبت بڑی طرح ذہن پر حاوی تھی۔ انہوں نے خود کو قریب دیتے ہوئے سوچا کہ آج کل پورے ہندوستان میں عیسائی مال کا بابا کٹاٹ ہے۔ بابا صاحب نے اپنی کے متعلق بھروسے کہا ہے۔ شادی کے متعلق کچھ نہیں کہا۔

علی حسین صاحب نے انگریز عورت سے شادی کر لی۔ زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ اختلافات پیدا ہونا شروع ہو گئے۔ اور نوبت تلخ کلامی تک جا پہنچی۔ ایک دن علی حسین صاحب نے غصے میں آکر اپنی بیوی کو ایک ٹپا پتھر رسید کر دیا۔ بیوی نے مقدمہ دائر کر دیا۔ حکمران قوم کے ایک فرد کو ٹپا پتھر مارنا پوری انگریز قوم کی توہین تھی۔



علی حسین صاحب پہلے ہی اپنا تمام اثاثہ بیوی پر نثار کر چکے تھے۔ ملازمت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ اور اب ہر وقت قید و بند کا غدشہ و مبالغہ پر مستلزم رہنے لگا۔ ناچار دوبارہ بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قدم بوسی کرنی چاہی۔ بابا صاحب نے فرمایا: "نکوت دم بوسی (قدم بوسی نہیں)۔ پہلے یہ بتاؤ ہم نے جیل خانہ کس لئے بنایا ہے؟"

علی حسین سمجھ گئے تیرکان سے نکل چکا ہے۔ انہیں اپنے طرز عمل پر بہت افسوس ہوا کہ بابا صاحب کے مرتع حکم کو انہوں نے غلط سمجھ کر خلافِ رزی کی۔ چنانچہ وہی ہوا جس کی طرف بابا صاحب نے اشارہ فرمایا تھا۔ علی حسین صاحب کو قید کی سزا سنائی گئی ایک مرتبہ یوسف حسین خاں صاحب حضرت بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو فرمایا: جاؤ، تم کو آدھا دیوان کیا؟

اس زمانے میں دیوان کا عہد ریاست میں صرف ایک تھا۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ آدھے دیوان سے کیا مراد ہے۔ کچھ عرصے بعد ریاست کو دو ضلعوں میں تقسیم کر کے دیوان اضلاع شرقی اور دیوان اضلاع غربی دو عہدے قائم کئے گئے اور ایک دیوان کی جگہ دو دیوان مقرر کئے گئے جن میں سے ایک یوسف حسین خاں بھی تھے۔

یہ کہیں دوڑتے ہو حضرت | حسام الدین صاحب بیان کرتے تھے کہ بابا صاحب کی شہرت سن کر میں نے ارادہ کیا کہ میں آپ کا مرید ہو جاؤں۔ اسی رات خواب میں دیکھا کہ بابا صاحب ایک حوض پر وضو کر رہے ہیں۔ اس پانی کی عجیب تاثیر ہے کہ اس سے اعفایۃ کثیرہ کی طرح شفا ہو جاتی ہے۔ وضو کرنے کے بعد بابا صاحب نے مجھ سے کہا تم بھی وضو کر لو۔ میں نے بھی وضو کیا اور میرے اعفایۃ بھی آئینہ کی طرح چمکنے لگے۔ اس کے بعد بابا صاحب نے اپنا دایاں ہاتھ میری طرف

بڑھایا۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے آپکا دست مبارک تھام لیا اور پھر میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے سوچا کہ میرے مرید ہونے کے خیال کی منظوری بابا صاحب کے ہاں سے ہو گئی ہے اس لئے اب حاضر ہو جانا چاہیے۔ چنانچہ دفتر سے چھٹی لی اور مرید ہونے کے خیال سے ناگ پور پہنچا۔ شکر وہ میں بابا صاحب کی سواری نمودار ہوئی۔ آپ ناگ میں سوار تھے اور لوگوں کا ایک حجوم پیچھے پیچھے دھڑلہ ہاتھا۔ میں زبوانی کی وجہ سے دوڑ میں سب سے آگے نکل کر جوں ہی تانگے کے قریب گیا، بابا صاحب نے فرمایا: یکوں دوڑتے ہو حضرت، خواب میں ہاتھ ملایا ہے وہ بس ہے؟

وال بھات | متعرا پر شاد امر آؤنی دالے کہتے تھے

بابا صاحب کی غلامی پر پہلے بھی بہت سے ہندو بھائی مجھے ملنے دیتے تھے۔ میرے گھر والے کہتے تھے کہ تیرا دھرم بہر شپ ہو گیا یہ لعنت طامت اس وقت اور بھی زیادہ ہو گئی جب میرا داماد مرص الموت میں گرفتار ہوا۔ میری بیوی نے مجھ سے کہا تم نے اپنا دھرم تو خراب کر ہی لیا، اب دنیا بھی خراب ہونے والی ہے۔ ایک بیٹی ہے، دو بیٹے صبح و شام میں بڑے ہونے والی ہے۔ آخر تمہارے بابا کس دن کام آئیں گے؟ تم ان کی بڑی کر انہیں بیان کرتے رہتے ہو۔ اپنے داماد کو تو موت سے بچاؤ۔ بیوی کی بات تیر کی طرح میرے دل میں لگی۔ میں نے کہا اس کو نہیں میں رکھ کر ناگ پور

سے ملو۔ ڈاکٹر لوں نے کہا یہ کچھ ہی دنوں کا مہمان ہے، اگر مرنے کی جلدی ہے تو فرود سے جاؤ۔ دوسرے لوگوں نے بھی بہت بھائی لیکن میں نہیں مانا۔ میں نے ان سے کہہ دیا کہ اسے بابا صاحب سے ٹھیک کر کے دم لوں گا۔ ورنہ پھر نہیں اپنی شکل نہیں دکھاؤں گا۔ مختصر یہ کہ میرے گھر والوں نے میرے داماد کو بستر پر ڈال کر بس میں بٹا دیا اور ڈاکٹر



کو ساتھ لے کر شکرہ پہنچے۔ میں نہیں سے اتر کر سیدھا بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور جاتے ہی عرض کیا: "بابا! میں اپنے داماد کو ساتھ لایا ہوں جو چند لمحوں کا یہاں ہے۔ یا تو یہ اچھا ہو جائے ورنہ آپ کا منہ یہاں بھی کالا، وہاں بھی کالا"

میری یہ گستاخانہ بات سن کر بابا صاحب نے ایک ہاتھ سے میرا ہاتھ پکڑا اور دوسرا ہاتھ مجھے مارنے کے لئے اٹھایا اور فرمایا: "کیا کہا؟"

میں نے کہا: "بابا چاہے مارو، چاہے پھوڑو۔ بات یہی ہے جو میں نے کہی ہے۔ میری عزت و آبرو آپ کے ہاتھ میں ہے۔" بابا صاحب نے ہاتھ جھٹک کر فرمایا: "جا، وال بھات کھلا، اچھا ہو جاتا ہے۔"

میں واپس بھاگا اور وال بھات تیار کر کے اس کو کھلایا۔ تمام لوگ میری اس حرکت کو دیوانہ پن سمجھ رہے تھے کیوں کہ پیش کے مہین کو آخری ریسچ پر حسیب کہ پانی بھی ہضم نہیں ہوتا، وال بھات کھانا کوئی مقل مندی کی بات نہیں تھی داماد وال بھات کھاتے ہی سو گیا۔ شام کو جاگا اور دوبارہ وال بھات مانگا۔ اور کھا کر پھر رات بھر سوتا رہا۔ اگلے دن وہ بالکل تندرست ہو گیا۔ اور اپنے پیروں سے چل کر بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔

**ایک، فائر**

فرید صاحب فقہا نے بیان کیا کہ تقریباً ۱۹۰۹ء کے ابتدائی زمانے میں بابا صاحب واک شریف میں مقیم تھے۔ میں پروفیسر محمد عبدالغفری لکھنؤی کے ساتھ بابا صاحب کی خدمت میں حاضری دینے کے لئے پہنچا تو چلا کر بابا صاحب واک شریف سے سات آٹھ میل دور جنگل میں تشریف فرما ہیں۔ ہم وہاں پہنچے تو دیکھا کہ بابا صاحب ایک کبیت میں تشریف رکھتے ہیں۔ چاروں طرف بول

کے درخت ہیں جس کے سائے میں حاضرین بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس وقت بابا صاحب کبیت میں پتھر چن چن کر ڈھیس بنا رہے تھے۔ ہم دونوں بھی سلام کر کے اسی کام میں مصروف ہو گئے یہاں تک کہ دو ڈھائی فٹ اونچا ڈھیر تیار ہو گیا۔ بابا صاحب نے فرمایا: اب دوسرا ڈھیر بناؤ اور جلدی بناؤ۔

ہم لوگوں نے جلدی سے دوسرا ڈھیر تیار کر دیا۔ اب بابا صاحب نے ایک نکرہ کی ہاتھ میں لے کر فوجی احکامات جاری کرنا شروع کر دیے: "فلاں ڈویژن! دھر مارا کر دو، فلاں ڈویژن! دھر جاؤ، ایک، فائر!"

بابا صاحب ایک خاص کیفیت میں یہ احکامات جاری کرتے رہے اور پھر فرمایا: "یونانی بھاگے، پکڑو، پکڑو!"

پھر فرمایا: "ہم نے یونانیوں کی کمر توڑ دی ہے۔ اب کبھی مقابلہ پکڑے نہ ہوگا" بابا صاحب نے ہاتھ کی نکرہ کی پتھروں کے ڈھیر میں نصب کرتے ہوئے کہا: "یہ ترکی کی فتح کا جھنڈا ہے۔"

دو تین روز بعد اخبارات میں یہ خبر آئی کہ جنگ بلقان میں ترکوں نے یونانیوں کو بڑی طرح شکست دے دی اور ان کے ہاتھ کثیر مال غنیمت آیا ہے۔

جنگ عظیم اول کے واقعات و حالات بابا صاحب اس طرح بیان کرتے تھے گویا آپ خود جنگ میں شریک ہوں۔ لوگ ان واقعات کو ٹوٹ کر بیٹھے اور چند روز بعد اس کی تصدیق ہو جاتی تھی۔ ایک مرتبہ بابا صاحب نے غصے میں پتھر اٹھا کر ایک مکان کو مارا اور کہا: "بڑا آیا انٹورب، فتح نہیں ہوتا۔"

لوگوں نے وقت ٹوٹ کر دیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ٹھیک اسی وقت رنٹورب



پر ایک بم گرا اور وہ فسخ ہو گیا۔

**علی برادران اور گاندھی جی**  
مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی ناگ پور آئے۔  
تو بابا صاحب کے پاس حاضر ہونے کے بجائے  
راجہ رگھو جی راؤ کو لکھا کہ بابا صاحب سے ملنے کا وقت مقرر کر دیں۔ راجہ صاحب پریشان  
ہو گئے کہ کون سا وقت دیں۔ بابا صاحب کے کوئی اوقات مخصوص نہیں تھے۔ لوگ  
ہر وقت حاضر ہوتے اور نہ ہی بابا صاحب کسی کو وقت دیتے تھے۔ بابا صاحب نے  
خود ہی راجہ صاحب سے کہا: ان سے کہو جمعہ کے دن چار بجے ہمارے ساتھ چائے  
پئیں۔ راجہ صاحب نے علی برادران کو مطلع کر دیا۔ جمعہ کے دن ٹھیک چار بجے حضور  
بابا صاحب کمرے سے باہر تشریف لائے، چائے طلب کی اور حکم دیا کہ حاضرین کو چائے  
پلائی جائے۔ علی برادران وقت پر نہ پہنچ سکے۔ سب نے چائے پی اور پانچ بجے بابا صاحب  
نے سواری طلب کی اور شہر کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں علی برادران کی موٹر  
آتی ہوئی نظر آئی۔ کوچران نے گاڑی روک دی۔ علی برادران نے کار سے اتر کر سلام  
عرض کیا۔

بابا صاحب نے کوچران سے کہا: کیوں رے، ان کو ہار دے دوں؟  
اس نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا: ہاں بابا، دے دو۔  
بابا صاحب نے فرمایا: میں کیا دوں گا، قہقا دے دے۔ ہیرا کوچران نے کچھ  
بار اٹھا کر علی برادران کو دے دیے۔

بابا صاحب نے فرمایا: جاؤ پھاٹک دیکھو۔  
اس کے ساتھ ہی بابا صاحب کی سواری شہر کی طرف روانہ ہو گئی۔ علی برادران بابا

صاحب کے ارشاد کا مطلب کچھ بھی نہیں سمجھے۔  
اسی وقت ناگ پور میں کانگریس کا جلسہ ہونے والا تھا اور علی برادران خلافت کے  
سلسلے میں جلسہ کرنے والے تھے۔ گاندھی جی بھی آئے ہوئے تھے۔ بابا صاحب کی آمد کا  
شور سنا تو سب شرک پر آ گئے۔ اور سلام عرض کیا۔ بابا صاحب نے فرمایا: جاؤ، آٹھ سو  
کوٹے اڑا دیے۔

گاندھی جی اس ارشاد کو کوئی معنی نہ پہنچ سکے۔ رات کو جلسہ ہوا تو آٹھ سو ممبران  
کٹ کر گاندھی جی کی طرف آ گئے۔ اس وقت گاندھی جی کو بابا صاحب کے ارشاد کا مطلب  
سمجھ میں آ گیا۔ ایک زمانہ میں گاندھی جی روزانہ بابا صاحب کے پاس حاضر ہوا کرتے  
تھے۔ بابا صاحب ان کو ڈھنڈے لیکن وہ پرواہ نہیں کرتے۔ اور پابندی سے حاضر ہتے تھے۔  
علی برادران خلافت کے جلسوں میں تقریر کے بعد بھی پہنچے تو انہیں گرفتار کر لیا گیا  
جب وہ جیل کے دروازے سے اندر داخل ہونے لگے تو بابا صاحب کا ارشاد یاد آیا  
کہ جاؤ پھاٹک دیکھو۔

**بے تیغ سپاہی**  
نواب صدیق علی خاں صاحب تحریک پاکستان کے  
ایک بہت فعال اور سرگرم رکن رہے ہیں۔ انہوں نے  
تحریک پاکستان کے مختلف پہلوؤں اور اس کے واقعات پر ایک قابل قدر کتاب  
”بے تیغ سپاہی“ قلم بند کی جس میں انہوں نے حضرت تاج الما دیار بابا تاج الدین رحمہ کا  
ذکر بھی کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:-

جب میں والد مرحوم کی انگلی پکڑ کر بابا کے دربار میں گاہے گا ہے جایا کرتا تھا بابا  
صاحب بالعموم لمبا کرتا پہنتے اور برہنہ سر اور برہنہ پا ہتے تھے۔ وہ اپنا زیادہ وقت پایاؤ



چنے میں گزارا کرتے تھے۔ ایک دن اپنے سلیم شاہی جوتے پہنے ہوئے جس کی ڈیڑی کے  
جسے کو میں نے شرارت میں سپاٹ بنا دیا تھا۔ بابا صاحب کے چچے چچے والد کے ساتھ  
جار ہاتھ لگا کر بابا صاحب کے ایک دم ٹک گئے اور مجھ سے فرمایا: لاؤ جی ہم تمہاری جوتی نہیں  
گئے: میں گھبرا گیا اور شک کر کھڑا ہو گیا۔ والد صاحب نے فوراً حکم کی تعمیل کرنے کو کہا۔  
بابا صاحب نے اپنے پیروں کی چند انگلیاں ڈال کر میری جوتیاں پہن لیں اور تھوڑی دیر  
تک ادھر ادھر پھرتے رہے۔ یقیناً یہ میری بڑی سسر فرنی تھی۔ ایک عرصہ کے بعد  
اس کے بڑے دور رس نتائج برآمد ہوئے اور جولائی ۱۹۶۱ء میں افریقہ کی سفارتی  
صحرانوردی کے بعد ختم ہوئے۔

ان کا روزانہ کاموں تھا کہ وہ اپنا کچھ وقت تاکہ میں بیٹھ کر ناگ پور کے مٹی کوچوں  
میں پھر گزارا کرتے تھے۔ وہ اکثر ہمارے آبائی گھر کے سامنے سے جو میرے زرگوں کے  
بسانے ہوئے نواب محلہ میں واقع تھا سواری میں گزارا کرتے اور اسے ڈسکس ارم  
بناتے۔ جذبہ عشق خداوندی سے وہ اکثر اوقات بے تاب ہو کر بلند و پست آواز  
میں سلسلہ نظم جاری رکھتے جو بعض اوقات مجھ ایسے کوڑھ مغزوں کے لئے بے معنی لیکن  
عارفین حق کے لئے معرفت کا ایک بحرِ وفار ہوتا۔ ان کا جلال کبھی اتنا بڑھ جاتا کہ ستانے  
والوں کو زد و کوب سے بھی باز نہ آتے۔ اور خصوصاً ان کی بہت چٹائی کرتے جو ان کے  
سامنے منہ کے بل اوندھے پڑ جاتے یا پھر پکڑ کر سنتیں مرادیں مانگتے۔ میں اس دن کا  
واقعہ سننا ناچا ہتا ہوں جس دن میری بڑی بہن جو مرث خاندان ہی میں تھیں بلکہ اس  
سے باہر بھی بہت محبت و عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں، ہم سب کو رونا چھوڑ کر  
اس دنیا سے منہ موڑنے والی تھیں۔ دوپہر سے قبل ہم سب نے بابا کی سواری کو اپنے

علم کدہ کے سامنے سے گزرتے ہوئے دیکھا اور سب اہل خاندان میری بہن کی گرتی ہوئی  
حالت دیکھ کر طالب دُعا ہوئے لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا گیا ان کی حالت تیزی  
سے بگڑنے لگی اور سب کو یقین ہو گیا کہ میں اب دم واپس ہے۔ عزیزوں نے خاموش  
آہ و زاری شہر و گرا دی۔ صبر و مغرب کے درمیان اطلاع ملی کہ حضور کی سواری پھر آ رہی  
ہے۔ میں چشمِ پرہیز کے ساتھ بے تحاشہ جھانک رہا تھا کہ پھر پھر حضور نے سواری رکوائی۔  
کچھ بے ربط جملے فرمائے جو میں اس وقت سمجھ نہ سکا۔ غالباً رحلت کی اطلاع اور دلاسا  
دینا مقصود تھا۔

تیسرے واقعے کا تعلق میرے ہم عمر عزیز دوست عظیم الدین عرف میر  
صاحب سے ہے جو میرے بھائیوں جیسے تھے۔ میرے والد نے میر صاحب کی والدہ کو  
بہن بنایا تھا۔ اس مناسبت سے میں انہیں چوکی اور سید احمد حسین صاحب ٹپیل کو پوچھا کہ کیا  
انہوں نے بابا صاحب سے بے پناہ عقیدت کی بنا پر ان کے دربار عرفان میں دنیا چھوڑ کر  
مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ میر صاحب کو شکار کا اتنا شوق تھا کہ وہ ناگ پور کے کھنڈ  
یا اپنے ال گزاری گاؤں کے اطراف تمام وقت ہرن کا شکار کھیلا کرتے تھے۔ انھیں وہ  
دامنی ترازن کو بیٹھے اور مارنے پٹنے پر آتے۔ لوگ اور محلے والے ان سے ہراساں  
اور خوف زدہ رہنے لگے۔ ان کے والد نے دلی وابستگی کی وجہ سے میر صاحب کے ہاتھ  
پاؤں نوپے کی زنجیروں میں باندھ کر ان کو تاج الاویا کے دربار میں پہنچا دیا میر صاحب  
تخمیناً گورے چٹے خوبصورت، دراز قد فوجوان تھے۔ دست درازی اور دشنام  
طرازی اس زمانے میں ان کا شغل حیات بن گیا تھا۔ میں ان کی حالت زار دیکھنے اور  
چار آنسو بہانے روزانہ جاتا تھا۔ ایک دن میرے والد محترم نے جنہیں علم طب سے



شفقت تھا فرمایا اگر میرا صاحب کی قصہ کھلائی جائے تو وہ اچھے ہو جائیں گے۔ جب میں نے یہ پیغام پل صاحب کو ان کی نزد گاہ پر پہنچایا تو وہ بالکل چسپرانہ ہو گئے اور فرمایا کہ بابا صاحب کے دربار میں ان کے حکم کے بغیر کچھ نہیں کیا جائے گا۔ میں آزر وہ خاطر اپنا سامنے لے کر گھر لوٹا اور والد کو کئی احوال سنایا۔ وہ خاموش ہو گئے۔ لیکن میں نے دوسرے دن تک اپنا تمام وقت یہ سوچنے میں کاٹا کہ اب کیا کرنا چاہیے حسب معمول عازم شکر وہ ہوا۔ دل نے کہا بابا صاحب کشف ہیں۔ ان سے دل ہی دل میں کہہ ڈالو کہ میرا صاحب کے والد کے دل میں خداوند کھلانے کا خیال ڈال دے تاکہ میرا محبوب ترین دوست میرے تندرست ہو جائے۔ میں دربار میں پہنچا۔ وہاں روزہ بھی چل رہا تھا۔ عقیقت مند اور حاجت مند بابا صاحب کو دو تہائی گھر سے میں لے بیٹھے تھے۔ بابا صاحب ہمیشہ کے مطابق جذب سے عرش ارادہ کی آواز میں بولے چلے جا رہے تھے۔ دائرہ کا جو ایک تہائی حصہ کھلا پڑا تھا اس سمت میں بہت دور میرا صاحب نے خجروں کے بندھن میں چھپتے چلا تے ہاتھ پیرارتے ہوئے پڑے تھے۔ ایسی حالت میں بھی وہ مجھ سے قولاً یا فعلاً بری طرح پیش نہیں آئے۔ میں ان کے قریب جا کر بیٹھ گیا اور بابا صاحب کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت کی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اس جھرمٹ میں پل صاحب پور پھا ہاتھ باندھے ہوئے بیٹھے ہیں۔ ان کی غیر متوقع بوجزدگی نے میری دل تننا کو تازیانہ لگا دیا۔ اور میرا دل تڑپ گیا۔ اپنی ولی خواہش کو زبان ہلائے بغیر بابا صاحب تک پہنچا دیا۔ اور میں انتہائی توجہ کے ساتھ اپنے جواب کے لئے ہر من گوشس ہو گیا۔ باتوں کا سلسلہ جاری تھا۔ اور میں بے صبری سے جواب کا منتظر تھا کہ بہ آواز بلند ایک جملہ فرمایا گیا تاکہ چھوٹا صاحب امیں اور دیگر ساجین اچھی طرح سن سکیں۔ طبعی مدد دے

لب دلچہ میں ارشاد فرمایا: بیٹائی کی رگ کاٹ کر خون نکال دو لڑکھا، اچھے ہو جائے۔ میں فرط سرت سے اچھل پڑا اور چھوٹا صاحب کی طرف چھپنا۔ انہوں نے مجھے موقع دیے بغیر کہا: جاؤ بابا، تمہارا جوجی چاہے کرو۔ میں میرا صاحب کو لانا میں ڈال کر گھر لے گیا۔ والد صاحب بہت خوش ہوئے اور چونسٹہ راجاؤں کے خاندانی جراح سید احمد صاحب کو جو نالے پار رہا کرتے تھے، شام کو بلوا کر میرا صاحب کی قصہ کھلائی اور پھر میرا صاحب اشد کی مہربانی سے دوبارہ بھلے چکے ہو گئے۔

اسی زمانے کا ایک اور واقعہ سننا کہ اپنی عقیدت مند شیفتگی کو تازہ اور زیادہ مستحکم کر دوں۔ اس زمانے میں سی پی ویرار کے ہائی اسکولوں کا الحاق الہ آباد یونیورسٹی سے ہونے کی وجہ سے میٹرک کے امتحان کے پرچے الہ آباد یونیورسٹی سے آیا کرتے تھے۔ حساب کے تین عیندہ پرچے ہوا کرتے تھے۔ میں میٹرک کے امتحان میں شریک ہوا لیکن حساب میں بہت کمزور ہونے کی وجہ سے ناکام ہو گیا۔ والد صاحب کے دل کو بہت غصے لگی کیوں کہ انہوں نے برسے بہت سے منصوبے تیار کئے تھے۔ میں بہت بااوس و شرمسار تھا۔ بالآخر کلکتہ یونیورسٹی سے میٹرک کا امتحان دینے کی اجازت مل گئی۔ وہاں سب سے بڑی آسانی یہ تھی کہ حساب کا صرف ایک پرچہ ہوا کرتا تھا۔ امتحان میں شریک ہوا اور کلکتہ سے روانہ ہوتے وقت چار دوستوں کو تاکہ کر کے ناگ پور لڑا کہ نتیجہ جیسے ہی شائع ہو مجھے فوراً مطلع کریں۔ آپ جانتے ہیں کہ امتحان کے نتیجے کا انتظار ایک طالب علم کے لئے کس قدر جان لیوا ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ میری بی بی اضطراب کی کیفیت تھی۔ اور کبھی کبھی تو میرا اضطراب اس خیال سے ہوش اڑا دیتا تھا کہ اگر اب کے ناکام ہو گیا تو والد صاحب کو ناقابل بیان صدمہ ہو گا اور میں انہیں اپنا محسوس چہرہ کیسے دکھاؤں گا۔ کلکتہ سے نتیجہ



والد نے مٹھائی پیش کی جسے حضور بہت شوق اور رغبت سے کھانے لگے۔ والد صاحب کے دل میں مسایہ خیال آیا کہ حضورؐ کو ایسی مٹھائی کہاں سے ملتی ہوگی۔ حضورؐ نے فوراً ہاتھ روک لیا اور پتھر اٹھا کر اس طرح آسانی سے کھانے لگے جیسے بڑا لذیذ حلوہ کھا رہے ہوں۔ جب والد نے ندامت کے آنسو بہائے اور دل سے توبہ کی تو حضورؐ نے پتھر دل کا کھانا بند کر دیا۔

ڈاکٹر سید محمود صاحب بہار کے رہنے والے تھے۔

ہندو مسلم فساد

جرمنی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی اور سیریزٹر ہوئے۔ پٹنہ میں پبکیشن کرتے تھے۔ لیکن تحریک خلافت کے وقت میدان سیاست میں آ گئے۔ کانگریس کے متنازید تھے اور متحدہ پارٹی اور مرکز میں وزیر مقرر ہوئے۔ مصر میں سفارت کے فرائض بھی انجام دیے۔ ڈاکٹر محمود صاحب بیان کرتے ہیں:

۱۹۲۳ء میں ناگ پور میں ہندو مسلم جھگڑے چل رہے تھے۔ بہت کشت و خون ہو رہا تھا۔ طرفین سے لوگ جیل جا رہے تھے۔ مسجد کے سامنے باجے کا جھگڑا اٹھا۔ گاندھی جی نے مجھ سے کہا کہ تم وہاں جا کر اس کو طے کراؤ۔ مولانا شوکت علی مرحوم پہلے جا چکے تھے لیکن ان کو کامیابی نہ ہوئی۔ میں نے پہلے وہاں جانے سے انکار کیا۔ پھر گاندھی جی اور حکیم اجل خاں صاحب کے اصرار پر راضی ہوا۔ حکیم صاحب نے مجھ سے کہا تھا کہ تم کو بزرگوں سے ملنے کا شوق ہے۔ وہاں جا کر تم بابا تاج الدین سے ملنا اور ان سے اس جھگڑے کے طے ہو جانے کے لئے دُعا کرانا۔

۱۰۷

موصول بابی میں کافی تاخیر ہو جانے کی وجہ سے دل بہت پریشان تھا۔ میں اس دن شکر و ریزہ میر صاحب کی جماعت کو گیا مگر زلزلے سے دل بھول گیا میں بابا صاحب سے عرض مدعا کر بیٹھا یعنی آپ اسٹریس و عافیتیں کریں گا یہاں میر صاحب اور ماؤں۔ اس دربار سے تو کوئی غالی ہاتھ نہیں جاتا تھا۔ ہسٹری میں کہے بے مرام لوٹا۔ خدایوں نے حضورؐ کو بغیر رکھا تھا۔ میں بہت دور سرائی بنا ہوا میر صاحب کے پاس بیٹھا کسی کراست کا انتظار کر رہا تھا۔ معلوم نہیں زور زور سے کیا کیا بہت سے بے ربط جملے ارشاد کئے جا رہے تھے کہ کیا دیکھتا ہوں میں خاں صاحب جو ان کی خدمت میں اکثر حاضر رہا کرتے اور بابا صاحب کی ڈاک رکھ کر آتے تھے بابا صاحب کے جو کھروہی زمین پر بیٹے ہوئے تھے پیر و باز ہے تھے، بابا صاحب اچانک اٹھ بیٹھے۔ جیسی صاحب کے کرتے کی بالائی جیب میں ہاتھ ڈال کر چار پوسٹ کارڈ ہوا میں بیٹھتے ہوئے آواز بلند فرمایا۔ جاؤ جی، بیٹھا گیا، پہلے درجے میں پاس کر گئے! میں خوش خوش بائیکل نے کوکھر کے لئے روانہ ہوا۔ مکان کے باہر شہر نشیں کے قریب پہنچ کر بائیکل سے اترا ہی تھا کہ دُور سے کسی نے زور سے پکار کر کہا۔

سیاں! سیاں! ذرا رگ جائیے اور اپنی ڈاک پتہ جائیے۔ دھڑکتے ہوئے دل سے مڑ کر دیکھا۔ ڈاکہ نے چار پوسٹ کارڈ دیے۔ معنون من و من وہی تھاجی کا انکشاف پہلے ہی تاج الاویا کر چکے تھے۔

نواب صدیق علی خاں مزید لکھتے ہیں: ایک دن میرے والد صاحب حضرت بابا صاحب کے لئے نہایت اہتمام سے انڈے کی مٹھائی جسے چوٹی کہا جاتا تھا، بنوا کر لے گئے۔ بابا صاحب پاگل خانے کے باہر سڑک کے کنارے گئی کے ڈیویر پر بیٹھے ہوئے تھے۔ چند حاجت مند لوگ منت اور مردوں کے مشکوں لئے ہوئے دربار میں موجود تھے۔

میں ناگ پور گیا اور بابا تاج الدین کے ہاں حاضر ہوا۔ وہ راجہ جونسد کے قلعے کے اندر رہتے تھے۔ راجہ ان کا بڑا مستعد تھا۔ اور ان کی بڑی خدمت کھاتا تھا۔ سٹوڈی



دیر بعد معلوم ہوا کہ بابا آج باہر نہیں نکلیں گے۔ مجھے بڑی مایوسی ہوئی۔ میں دروازے پر کھڑا تھا کہ سامنے دالان میں ایک دروازہ سیاہ فام بزرگ جن کی آنکھیں سرخ تھیں ایک ایک آکر کھڑے ہو گئے اور پھر اندر چلے گئے۔ نوکر نے آکر آواز دی کہ بابا اب نکلیں گے۔ چنانچہ وہ نکلے اور ایک فن میں سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ لوگوں کا اردہام گاڑی کے پیچھے دوڑا اور ان پر پھول پھینکتا رہا۔ اور بابا کچھ بولتے رہے۔ اسی میں لوگ اپنے مطلب کی بات نکال با کرتے لیکن کسی سے بھی کوئی بات صاف نہیں ہوتی۔ مجھ سے بھی لوگوں نے گاڑی کے ساتھ دوڑنے کی فرمائش کی لیکن میں نہیں گیا۔ پھول الیہ ان پر پھینک دیا۔ لوگ اس طرح ان کے ساتھ میل و میل دوڑا کرتے۔ یہ برابر کا دستور تھا۔ میں موٹر پر تھا۔ کچھ دیر بعد سیری موٹر نے دوڑ کر ان کی گاڑی کو پکڑ لیا۔ اب لوگوں کی بھرپور چٹنگی تھی۔ میں گاڑی پکڑ کر چلنے لگا۔ بابا میری طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا: کیا چاہتا ہے؟

مخدوم دست بردار ہوئے۔ میں نے عرض کیا: انگریزوں کی غلامی اب برداشت نہیں ہوتی۔ ہندو مسلمانوں کو برابر لڑاتے رہتے ہیں۔ وہ ہندوستان سے کب تک جائیں گے؟

بابا نے قریبے پروائی سے جواب دیا: ہاں! ہاں! ضرور چلے جائیں گے۔ راجہ کے دو ملازم گاڑی پر ان کے ساتھ ہاتھ باندھے ہوئے بیٹھے رہتے تھے۔ بابا سے اسی صاف بات شاید انہوں نے پہلے نہیں سنی تھی۔ وہ بہت گھبرائے اور کہا کہ آج تک بابا نے اسی صاف طور پر بات نہیں کی تھی۔ تم تو کوئی دیوتا معلوم ہوتے ہو۔ پھر میں نے کہا آپ کی موجودگی میں ناگ پور میں ہندو مسلم جھگڑا ہوا یہ تعجب کی بات ہے۔ ہندو تو آپ کی اس قدر سبوتا کرتے ہیں، پھر مسلمانوں سے کیوں لڑتے ہیں؟ آپ عا کیجئے

کی کیفیت طے ہو جائے؟

بابا نے کہا: ہاں ضرور طے ہو جائے گا۔

اس طرف سے کچھ سفید پوش مسلمان گزر رہے۔ میں نے ان کو مخاطب کر کے کر کے آواز دی کہ دیکھو بابا کیا کہتے ہیں۔ بابا کہتے ہیں کہ ہندو مسلم جو جھگڑا ہو رہا ہے، وہ طے ہو جانا چاہیے۔

بابا نے کہا: ہاں! ہاں! طے ہو جانا چاہیے۔

جب میں گاڑی سے اترنے لگا تو بابا نے پوچھا: اور کیا چاہتا ہے؟

میں نے کہا: آپ کی دعا چاہتا ہوں۔

انہوں نے سر سے اتار کر ایک مربع شکر کامر سٹی صاف مجھے دیا۔ اور کہا: رکھئے، ہندو مسلم جھگڑا میں نے طے کر دیا۔

میں پھر بابا کے پاس گیا۔ راجہ کو معلوم ہوا۔ اس نے مجھے بلوایا اور میرے پیروں پر پھول چڑھائے اور صفائی رکھی کہ آپ تو کوئی دیوتا ہیں۔ مجھے اپنے ملازمین سے آپ اور بابا کی گفتگو کا حال معلوم کر کے تعجب ہوا کہ اسی صفائی نے گفتگو بابا کسی سے نہیں کرتے۔ پھر مجھے بابا کے پاس بھجوا دیا۔ وہ ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ اور ایک ملازم ان کے پیروں پر ہاتھ دھو رہا تھا۔ میں نے کہا: بابا! وہ ہندو مسلم جھگڑا آپ کی دعا سے طے ہو گیا۔

کہا: اچھا ہوا!

پھر میں نے سوال کیا کہ بابا، انگریز اس ملک سے کب تک جائیں گے؟

بابا نے غصا ہو کر جواب دیا: ارے میرا، جب تم لوگ اس قابل ہو گے تو خود چلے جائیں گے۔



میں ذرا سہم گیا۔ بابا نے زٹ لگائی : گھر جاؤ۔

میں کچھ دیر بیٹھا چاہتا تھا لیکن بابا بھی کہہ رہے تھے کہ گھر جاؤ، گھر جاؤ۔ میں مجبور ہو کر اٹھ آیا۔ میرے ہمراہ دو صاحب تھے۔ ان میں سے ایک صاحب نے مجھ سے کہا۔  
"دیکھئے، میں آپ کو ہر چند یہاں آنے سے منع کرتا رہا مگر آپ نہ مانے۔ یہ ایک مجنوں کی  
ہے۔ اس کو فقیر بنا رکھا ہے اور بد اخلاق کس قدر ہے کہ آپ کو بیٹھنے بھی نہ دیا۔ اور اپنے  
پاس سے بے اعتنائی کے ساتھ اٹھا دیا۔"

دوسرے صاحب نے کہا : نہیں، بابا صاحب کا مطلب ہے کہ مسلمان اپنے گھر  
یعنی مکہ مکرمہ پہنچ جائیں، پھر پھر اپنی فلاح کی حیثیت سے آئیں۔

مجھے ان کے اس استدلال پر ہنسی آگئی۔ بہر حال میں اسی دن شب میں الہ آباد کے  
نئے روانہ ہو گیا۔ دوسرے دن آنند بھون (پنڈت جواہر لال نہرو کا گھر) پہنچا جہاں میں ٹھہرا  
کرتا تھا۔ وہاں میرے لئے ایک تاری پیلے سے آیا ہوا تھا کہ جو چوڑی میں سے ماموں زاد  
بہنوئی کا اسی وقت انتقال ہوا جس وقت میں بابا سے ناگ پور میں باتیں کر رہا تھا۔

ماہ نامہ اردو ڈائجسٹ میں بابا تاج الدین سے متعلق واقعات  
**بھوٹ بنگلہ** "تاج الدین بابا" کے عنوان سے شائع ہوئے تھے۔ ان واقعات  
کے راوی خان رشید صاحب ہیں۔ ماہ نامہ اردو ڈائجسٹ کے شکر بے کے ساتھ  
ان واقعات کی تلخیص پیش کی جا رہی ہے۔

پراسرار قہقہہ : زوجان عثمان اسٹنٹ شیشن اسٹر کی حیثیت سے  
ناگ پور قیناٹ کیا گیا۔ اس نے جس بنگے میں قیام کیا وہ آسبب زدہ مشہور تھا۔ لوگوں  
نے اُسے پہلے پیش آنے والے واقعات سن کر بنگے میں قیام کے ارادے سے باز رکھنا

چاہا۔ انگریز اسٹنٹ اسٹر فورس نے بھی منع کیا۔ لیکن اس نے ان باتوں پر تو بے زدی۔  
رات کو بارہ بجے جب عثمان بستر پر لیٹا ہوا تھا، باہر کسی کے قدموں کی چاپ سنا  
دی۔ پھر کسی چیز کے گرنے کی آواز آئی۔ اور پھر جیسے بلند ہوئیں۔ کچھ ہی دیر گزری تھی کہ بنگے کے  
احاطے میں ایک زوردار قہقہہ گونجا۔ اور کسی کے دوڑنے کی آواز آئی۔ صبح عثمان کمرے  
سے باہر نکلا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ برآمدے میں ہلکی سی پکے ہوئے چاول اور  
مٹی کی ایک ہنڈیا لٹائی پڑی تھی۔ اگلی رات بھی اس سے ملنا جتنا شور سنا دیا۔ اور صبح  
برآمدے میں ایک انسانی ہاتھ پڑا ہوا ملا۔

ان حالات کے باعث عثمان کے اعصاب برباد ہو گئے اور اگلی رات اس  
نے ایک ہٹل میں گزاری۔ حسبِ عادت صبح عثمان جب چہل قدمی کے لئے نکلا تو ایک  
جگہ لوگوں کا ہجوم دیکھ کر رُک گیا۔ ہجوم ایک سبز پوش بوڑھے کے پیچھے لگا ہوا تھا جو منہ ہی  
منہ میں کچھ بول رہا تھا۔ اس دوران بوڑھا مانگے میں سوار ہو کر ایک طرف روانہ ہو گیا۔  
پوچھنے پر پتہ چلا کہ یہ بزرگ تاج الدین بابا ہیں۔ عثمان پہلے بھی تاج الدین بابا کا تذکرہ  
ایک ولی اللہ کی حیثیت سے سُن چکا تھا۔

مٹی کی تصویر : سیر کے دوران عثمان کا بل کے قریب سے گزر رہا تھا کہ ایک  
ہم وطن جسے الفقار نے آواز دی۔ وہ ان دونوں قانون کا طالب علم تھا۔ اس کے جیل پڑ  
کے دو اور ساتھی فضل اکرم اور عباسی بھی اس کے ساتھ تھے۔ انہیں عثمان کی آمد کا علم  
ہوا تو خوشی میں چائے پر مدعو کر لیا۔

مقررہ وقت پر وہ ہاسٹل پہنچ گیا۔ چلو چائے شہر میں نہیں گے۔ بجایا نے کہا  
موقع ملا تو تاج الدین بابا سے بھی مل لیں گے۔



سارے راستے اسی نوع کی گفتگو ہوتی رہی۔ اسی میں مسراج کا مسئلہ حل نکلا  
فضل اکبریم روحانی اور عبدالغفار جسمانی معراج کے قائل تھے۔ ایک اچھے سے نکل  
میں چائے پی کر وہ لوگ شکر و رہ پہنچے تو وہاں عجیب منظر دیکھا۔ ایک فوٹو گرافر بڑا سا کیمرو  
تپائی پر جمائے بابا کی تصویر لیتا چاہتا تھا۔ اور وہ اس پر رضامند نہ تھے۔ تاہم اس کے  
اصرار پر کسی پر بیٹھ گئے مگر وقت پہل جلتے تھے۔ فوٹو گرافر افسردگی سے بولا: بابا! میں  
تو آپ کی تصویر فروخت کر کے بال بچوں کا پیٹ پانے کی فکر میں تھا مگر آپ کو ذرا خیال  
نہیں؟

کیا بولا رہے، کیا بولا! بابا تڑپ گئے: بے، اچھا انارے مٹی کی تصویر؟  
تصویر کھینچ لی گئی، فوٹو گرافر خوش ہو گیا۔ معاً بابا کی نگاہ ان چاروں پر پڑی تو  
بحریر پر ہل پڑ گئے۔ اور بولے: انگریزی پڑھ کے آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضور کو معراج  
روحانی ہوتی تھی۔

چاروں چونک پڑے اور بابا اپنے مجرے کی طرف چل دیے۔ اب انہیں بابا  
کے سامنے جانے کی ہمت نہ تھی۔ وہ اسی کا ارادہ کیا مگر عثمان اور عبدالغفار آگے بڑھے  
ایک خدمت کار بابا کے پاؤں دہانے کی کوشش کر رہا تھا۔ بابا نے اسے منع کر دیا۔ اور  
عبدالغفار کی جانب دیکھ کر بولے: بے رے لڑکے، تو پیر دیا۔

عثمان نے بھی شامل ہونا چاہا لیکن بابا نے اسے منع کر دیا۔ عبدالغفار نے  
پنڈلی کو ہاتھ لگا دیا تو وہ بے حرکت تھی۔ بابا نے پٹے اکڑائے تھے۔ دو منٹ بعد  
اس نے ہاتھ روکتے ہوئے کہا: بابا! آپ تو پنڈلی اکڑائے بیٹھ میں میں پاؤں کیسے  
دباؤں؟

تو دھیل کرے نا، لگا سانس کا زور؟

اس میں سانس کام نہیں آتی۔ آپ خود پاؤں دھیلنا چھوڑ دیجئے۔

وہ پہلے پہنے اور کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولے: تو اچھا لڑکا ہے، اتنا  
کیا چاہتا ہے؟

بابا! پڑھ لکھ کے نوکری تو مل جائے گی مگر خدا کیسے ملے؟

وہ قدر سے چونک کر کہنے لگے: محنت کرتے، بچے پاتے، خدا مل جاتا ہے؟  
فضل اکبریم اور عباسی داخل ہوئے تو وہ اُدھر متوجہ ہو گئے: کیوں رہے! اب تب حضور  
صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج روحانی ہوتی کہ جسمانی؟

دونوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ عبدالغفار فوراً بولا: بابا غلطی ہوئی، معاف  
کر دو۔

وہ خوش خوش نظر آئے، پھر یوں گویا ہوئے: کرسی پر بیٹھ گئے، فوٹو اترواؤ گے  
پھر مسجد میں آجائے گا۔ اچھا اب تم جاؤ۔

پُر اسرار گارڈ: عثمان عزمین مدعا نہ کر سکا اور ساتھ کر چلنے ہی والا تھا کہ بابا  
کی آواز آئی: ادنا لائق! تو کائے کو ڈرتا ہے؟ ڈنڈا رکھ کے سونا۔ وہ آئیں گے،  
مار دینا! عثمان ان کی طرف متوجہ ہوا تو ہنس کے بولے: تیری بھج میں بھی آجائے گا،  
معراج جسمانی ہوتی کہ روحانی؟

پھر دوسرے لوگوں کی جانب متوجہ ہو گئے اور مخصوص انداز میں بولنے لگے۔  
اسی لمحے عثمان کو بنکٹ راؤ گارڈ اندر کرنے میں بیٹھا نظر آیا۔ وہ ٹکٹنگی باندھے بابا کو  
دیکھے جا رہا تھا۔ اس وقت چھ بجے تھے اور بنکٹ راؤ کو سوا چھ بجے والی گاڑی



لے کر بھیجی جانا تھا۔ لیکن ابھی تک اس نے دردی بھی نہیں پہنچی تھی۔ اور اتنے کم وقت میں وہ اسٹیشن ٹیکل ہی سے پہنچ سکتا تھا۔ بابا نے بنکٹ راؤ کو سیلان کہہ کر مخاطب کیا اور آہستہ سے کچھ کہا۔ اس پر وہ مسکرایا لیکن اسی جگہ بیٹھا رہا۔

یہ چاروں بابا تاج الدین کی روشن منبر سے بے حد متاثر ہو کر اٹھے عثمان کو تو جیسے چپ ہی لگ گئی تھی۔ ڈنڈا رکھ کے سونا، وہ آئیں گے، مار دینا۔ پچھلے الفاظ اس کے ذہن میں گونج رہے تھے اور وہ ان کے مفہوم سے بے خبر تھا۔ پھر سوچنے لگا، ڈنڈے سے کیا بنے گا۔

راستے میں عثمان نے تفصیل سے آسپی بنگلے کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے دوستوں کو بابا صاحب کی ہدایت بتائی کہ ڈنڈا رکھ کر سونا۔ وہ سب حیران رہ گئے اور معہ مل نہ کر سکے۔ پروگرام بنا کر پہلے اسٹیشن پر جائے پی جائے اور پھر بھیت بنگلے کی سر کی جا۔ عثمان نے کہا: میں بنکٹ راؤ کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ اُسے سو اچھے بچے پسخرے کر ڈاری جانا ہے لیکن وہ تو بابا کے پاس بیٹھا ہے اور وہ اس آنا نظر بھی نہیں آیا۔ سو اچھے بچے میں ایک منٹ باقی ہے۔

فضل الکریم نے بے ساختہ پوچھا: یہ وہی گارڈ تو نہیں جو دوہری شخصیت کی وجہ سے مشہور ہے۔ ایک وقت بابا کے پاس رہتا ہے اور ڈیوٹی پر بھی۔ سنا ہے بابا صاحب کا خاص مقتد اور فانی اسٹیشن ہے۔

وہ سیدھے اسٹیشن پہنچے اور پلیٹ فارم پر قدم رکھا ہی تھا کہ ڈاری پسخریٹی دے کر روانہ ہوئی۔ گارڈ کا ڈیوٹی سامنے سے گزرا اور وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ بنکٹ راؤ دردی میں بلوس سبز جھنڈی ہلا رہا ہے۔ پھر اس نے انہیں سر کی شبیہ سے سلام کیا

اور دوڑ نک سکر تا رہا۔ بنکٹ راؤ کا اتنے کم وقت میں اسٹیشن پہنچ جانا ان کے لئے معجزانہ بن گیا۔ پھر ایک ساتھی نے تجویز پیش کی، ہیں بابا جی کے پاس جا کر تمام واقعے کی تحقیق کرنی چاہیے۔ وہ لوگ دوبارہ ٹھکرا رہے تھے۔ فضل الکریم اور عباسی ٹرک ہی پر ٹرک لگے کہ بابا جی کے سامنے جاتے ہوئے بچپکے تھے۔ عبدالغفار اور عثمان نے ہمت کی جھرے میں میلاد شریف کا غلغلہ بلند تھا۔ انہوں نے جھانک کر دیکھا۔ سلام پڑھا جا رہا تھا۔ بابا جی حالت وجد میں مجھوم رہے تھے۔ اور بنکٹ راؤ ان کے قریب ٹوٹ بکھرا تھا۔ بابا جی کی آنکھیں بند تھیں اور ان سے شاک زداں تھے۔

مسحراج: ارے فوج! درود پڑھو۔ بڑے سرکار کی سواری آرہی ہے۔ درود کا غلغلہ بلند ہوا اور ایک طلیف سی خوشبو پھیل گئی۔ سلام پڑھا جا چکا تھا۔ بابا جی فرش پر بیٹھ گئے اور ذرا قافلے پر بنکٹ راؤ بھی۔ وہ دونوں جھرے کے دروازے کی اوٹ میں کھڑے تھے۔ اس حیرت انگیز مشاہدے کے بعد اٹلے پاؤں اعلیٰ کے پھاٹک کی جانب پکے جہاں تانگے پر ان کے ساتھی منتظر تھے۔ پھر ایک عجیب منظر دیکھ کر ٹھٹھک گئے۔ عباسی اور فضل الکریم متر متر کانپ رہے تھے۔ بابا جی خود ان کے سامنے موجود تھے اور ان پر حلال کی کیفیت جاری تھی۔ انہوں نے پلٹ کر جھرے کی طرف دیکھا تو ان کو اپنی آنکھوں پر اعتبار نہ آیا۔ بابا جھرے میں تھے۔ شاید یہ کوئی دوسرے بزرگ ہوں اسی لمحے بابا جی کی جانی پہچانی آواز نے ان کا شبہ دور کر دیا۔ مگر وہ کب اور کیسے وہاں پہنچے جب کہ راستہ صرف وہی تھا۔ وہ حیرت کی انہوں میں اترتے جا رہے تھے۔

"انگریزی پڑھنے والو! بتاؤ، حضورؐ کو روحانی مسراج ہوئی تھی؟ تاج الدین بابا کی آواز میں فقہ غالب تھا۔ اب لڑاؤ اپنی سانس!"



معاف کر دیجئے بابا جی! غلطی ہوئی۔ عبدالغفار نے عاجزی سے کہا۔  
وہ فوراً ادھر متوجہ ہوئے۔ ان کی تیزی پر بلتے اور چہرے پر طلال اور ناگواری  
کا عکس۔ نامعقول، تو پھر آگیا! جاتیرا عہدہ گھٹا دیا۔

ان کے چہرے پر دیکھ کر عثمان عبدالغفار کی اوٹ میں دیک گیا۔ اس کی لڑکی  
دیکھ کر بابا کو ہنسی آگئی۔ "تو کائے کو ڈرتا ہے عثمان! ڈنڈا رکھ کے سو جا۔۔۔ سلیمان  
کی ٹوہ نہ کرنا، اپنی ٹوہ لگانا۔ پھر سمجھ میں آجائے گا معراج کس کو بولتے ہیں۔"  
اس رات بھوت بنگے کا پردہ گرام ملوئی کر کے وہ تینوں کالج ہوسٹل چلے گئے۔  
اور عثمان بنگے واپس آگیا۔ اس رات کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔

بیمیانک رات: اگلی صبح عثمان اسٹیشن کی طرف روانہ ہوا۔ چوتھے  
بنگے کے ڈاکٹر چودھری کی تختی اس نے پہلے بھی دیکھی تھی جس پر خاٹے ہوئے حروف میں  
اس کی ڈگریاں کندہ تھیں۔ مگر اس وقت وہ ساری ڈگریاں ایک خوبصورت چہرے  
کی اوٹ میں چھپ گئیں۔

"ٹامی، ٹامی!" ایک باریک نسواری آواز بلند ہوئی۔ اس نے ایک چھوٹے  
سے کتے کو دم ہلاتے دیکھا۔ پھر وہ خوبصورت چہرہ اندر چلا گیا۔ اس خانوں کا ذکر اس  
سے کسی دوست نے کیا تھا۔ اس کا نام لیلیا دیوی تھا۔ وہ ڈاکٹر چودھری کی بیوی تھی اور  
ڈاکٹر چودھری رابطے میں اچھے مشاہیر پر ملازم تھے۔

اس رات دو بجے کے قریب ایمانک عثمان کی آنکھ کھلی۔ باہر اعلیٰ میں تھوڑے  
سنہنی آوازیں وحشت خیز قہقہہ بلند ہوا۔ کسی کے بھاگنے کی آہٹ سنائی دی۔ پھر بجلی  
کی طرح اسے بابا کے الفاظ یاد آئے۔ عثمان نے ڈنڈا سنبھالا۔ ٹارچ اٹھائی اور جی کڑا

کر کے دروازے کا پٹ کھول دیا۔ برآمدہ بالکل سناٹا تھا۔ ٹارچ کا رخ بڑے لان  
کی طرف مڑا تو سو کھے گھنوں کی اوٹ میں دو سرخ سرخ انگارے چمکے اور غائب ہو گئے۔  
اُسے آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اور وحشت سے جھرجھری آگئی۔ وہ اندر آیا اور دوپٹا  
بستر پر درانہ ہو گیا۔ زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ کمرے کے اندر ہیبت ناک چیخ بلند ہوئی  
اور اس کی آنکھ کھل گئی۔ ڈنڈا مضبوطی سے تھام لیا۔ پھر دس منٹ بعد صحت کی پراسرار  
آوازیں ایمانک مدھم ہو گئیں عثمان کی نظر روشندان کی ڈوری پر پڑی گئی۔ وہ ہل رہی  
تھی۔ بالائی سرے پر کوئی چیز رتی سے لمبی نظر آئی۔ دُشندہ اور پراسرار ہیولی رسی پر سر کرتا  
ہوا نیچے کی طرف آیا۔ اس کے تعاقب میں دیبا ہی ایک اور سایہ دکھائی دیا۔ وہ رتی کے  
سہارے فرش پر راتے اور سرکتے ہوئے چارپائی کی جانب بڑھے۔ عثمان نے تاک کر  
دونوں کے سر کھلی دیے۔ اور اسی لمحے بابا کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے لگے۔  
کیا اور بھی آئیں گے؟ وہ سوچنے لگا۔

سانپوں کے مرجانے کے بعد صبح تک کوئی پراسرار آواز نہ آئی۔ چڑیاں چھپانے  
لگیں۔ عثمان اٹھا۔ لباس تبدیل کیا۔ اور مردہ سانپ وہیں چھوڑ کر باہر نکل آیا۔ چند  
چڑیاں برآمدے میں بکھرنے ہوئے نزدیک چاک رہی تھیں۔ اعلیٰ میں باتورات کے  
پراسرار قہقہے اس کے ذہن میں اجاگر ہو گئے۔ گھنوں کی اوٹ میں جدھر دو انگارے سے  
چمکے تھے، ادھر حجام، دوڑائی تو اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ خشک اور  
دیران لان میں خون کے تازہ دھبے دکھائی دیے۔ اس کے قدم ٹپک گئے۔ دوسری  
جانب سے لمبا چمکڑا کٹ کر گیٹ کی جانب بڑھا ہی تھا کہ وہاں ایک مانگہ بکر بکا۔ آنے  
والے عبدالغفار اور فضل اکرم تھے۔



عثمان نے ان کو سارے واقعات سنائے اور چائے و قہوہ دکھائی۔ فضل الکریم نے بنگلے کا بغور جائزہ لیا۔ اور سب کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ وہ قریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر واقع بھنگیوں کی بستی میں پہنچا۔ وہاں پوچھنے پر معلوم ہوا کہ بھگوت نامی بھنگی کا کتا غائب ہے۔ فضل الکریم نے بستی کے بھنگیوں کو بتایا کہ کتے کو کسی نے مار دیا ہے۔ یہ سن کر لوگوں نے کہا کہ اس کتے کی کسر اتروں سے تنگ آکر اُسے بستی سے باہر نکال دیا گیا تھا۔ اور اس نے ایک مرگٹ میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ اس کی عادت تھی کہ رات گئے مرگٹ سے لوگوں کے گھروں میں آکر حبس پڑ جاتا تھا۔ وہ ہنڈیا لے کر بھاگ جاتا اور ہنڈیا کو زور سے زمین پر مار کر توڑ دیتا اور کھانا کھا لیتا تھا۔ اس انکشاف سے سب کو پتہ چلا کہ بھوت بنگلے میں پانی جلانے والی ہنڈیا اور چاول بھگوت کے کتے کی کارستانی تھی۔ فضل الکریم سب کے ساتھ دوبارہ بنگلے آیا۔ اور وہاں خون کے دھبوں کے قریب پائے جانے والے نشانات کو دیکھ کر بتایا کہ ان ہی نشانات کی وجہ سے اس کا ذہن بھوت بنگلے کے واقعات کا سراغ لگانے میں کامیاب ہوا ہے۔ فضل الکریم نے انکشاف کیا کہ وہ نشانات کلڑ بگتے کے پیروں کے ہیں جو کتے کا گوشت شوق سے کھاتا ہے۔ اور پھر اسی آواز نکالتا ہے جیسے قہقہہ بلند ہوتا ہے ہوا یہ کہ پہلی دور میں کتے اور کلڑ بگتے میں کشمکش ہوتی رہی اور پھر کتا قابو میں آگیا۔ انسانی ہمت پر کتا بھی کتا ہی مرگٹ سے اٹھا لیا تھا۔

فضل الکریم تین کرتے کرتے یکایک سنجیدہ ہو گیا۔ اور غور سے بنگلے کا چھپر دیکھنے لگا۔ ساتھیوں کو وہیں چھوڑ کر سہارت کے گرد ایک چکر لگایا۔ اور واپس آکر پُر اسرار انداز میں گویا ہوا۔ جلدی سے ایک سیرٹھی اور دو تین جھاڑو کا بندوبست

کر ڈالو۔

سیرٹھی ڈاکٹر چودھری کے بنگلے سے مل گئی۔ فضل الکریم نے چھت گیری اور چکر علیحدہ کر دی۔ گرد کی موتی تہ غبار کی شکل میں کمرے میں پھیل گئی۔ چھپر اور چھت گیری کے درمیانی خلا کی سنائی مدت سے نہ ہوئی تھی۔ مختلف پرندوں نے گھونٹے بنار کھے تھے اور چھپکلیاں بڑی تعداد میں رنگ رہی تھیں۔ فضل الکریم نے سارے آشیانے اجاڑ دیے۔

دو روز گزر گئے اور کوئی نیا واقعہ پیش نہیں آیا۔ رفتہ رفتہ وحشت کا احساس زائل ہوتا رہا۔ پھر عثمان کا اعتماد مکمل طور پر بحال ہو گیا۔ تاہم اس کے ذہن میں ایک نامعلوم خلیش موجود تھی۔

بڑا دلجو: ایک شام وہ کانچ ہاسٹل سے لوٹ رہا تھا کہ باباجی تانگے میں آتے دکھائی دیے۔ وہ گھبرا کر ایک درخت کی اوٹ میں چھپ گیا۔ تاہم قریب کرڑک گیا۔ باباجی نیچے اترے اور اسی طرف چل دیے جہاں عثمان درخت کی اوٹ میں چھپا ہوا تھا۔ عثمان تھر تھر کانپنے لگا۔ باباجی کو ہنسی آگئی۔ او عثمان! اب کائے کو چھپتا رہے، سانپاں تھے مر گئے۔ اب کائے کو ڈرتا، نکو ڈرتے رہے، تاج الدین سے نکو ڈرتے۔ اللہ سے ڈرتے۔

عثمان نے ادب سے سلام کیا۔ باباجی نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اپنے ساتھ ہی تانگے میں بٹھالیا۔ اور شکر دراک کی طرف چل دیے۔

آبادی سے گزرے تو متقدمین کے ایک ہجوم نے تانگہ گھیر لیا۔ محور باباجی نیچے اتر آئے۔ حاجت مندوں کو دعائیں دیتے، بھڑکتے، حالت جذب میں سکراتے



خفا ہوتے اور عثمان کا ہاتھ پکڑے آگے بڑھتے رہے۔ شکر درانک سلسلہ اسی طرح جاری ہا۔

معتقدین کے جلو میں بابا اور عثمان راہر رگھوجی کے محل میں داخل ہوئے اور اس چھوٹے سے مندر کا رخ کیا جہاں تین دن پہلے سالانہ میلہ لگا تھا۔ چل پہل ابھی باقی تھی باباجی کو دیکھ کر دو تین پنڈت ہاتھ جوڑے باہر نکل آئے۔ باباجی نے نرم لہجے میں کہا۔  
”تمہارا بڑا دیو بڑا میلہ کھلا اور گنڈا لگتا ہے۔ جس اسے ہٹا دوں؟“

”نہیں بابا! آپ دبا کریں۔ ہم آپ ہی استننان کر ادیں گے۔ انہوں نے گھبرا کر جواب دیا۔

”بابا کو ہٹانے دیتے رہے! تم پنڈتوں رگھوجی کی اور اپنی لٹاؤ کو روک دو گے۔“  
”تاج الدین کی بات مان لیتے رہے!“

”نہیں بابا!“ انہوں نے یک زبان ہو کر کہا۔ بابا ہنس کر آگے بڑھ گئے۔ اور پھر آہستہ سے بڑبڑائے۔ ”عثمان! تو ان کے مہادیو کو مڑ ہٹا دے۔“

عثمان نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور پنڈتوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ عثمان کو بعد میں معلوم ہوا کہ بابا پہلے بھی ایک بار اسی طرح مندر میں آئے تھے اور ان کی اس بات پر ہندو بگڑ گئے تھے لیکن کسی کو الجھنے کی ہمت نہ ہوئی تھی۔

اسی احوالے میں راہر رگھوجی نے وہ بے کھڑے میں شیر پال رکھا تھا۔ بابا کی نگاہ اس پر گئی تو بولے۔ ”ارے! اسے کیوں بند کر رکھا ہے؟ بے چارہ پریشان ہو رہا ہے۔ نا۔ کہنے سے بچھڑ گیا، کتا بن گیا۔ ٹامی، ٹامی؟“

عثمان چونک پڑا۔ ڈر کے مارے اس کا سانس پھوٹنے لگا اور جسم پر دھڑکنا شروع ہو گیا۔

ہو گیا۔ بابا نے بڑھ کر پھرے کا پھانک کھول دیا۔ شیر باہر نکل آیا۔ لوگوں میں ہنگامہ مچ گئی۔ اور وہ سب بھاگ کھڑے ہوئے۔ صرف بابا کا خادم پہلوان، بنکٹ راؤ اور عثمان رہ گئے۔ بابا نے کہا۔ ”بڑا اچھا کتا ہے۔“ پھر عثمان سے مخاطب ہوئے۔ ”پھرے میں پھنسا تو شیر کتا بن جاتا نا۔ تو بھی ٹامی بنے گا عثمان اور بڑے دیو کو ہٹا دے گا؟“

اس براہ راست خطاب سے عثمان کے اوسان غطا ہو گئے۔ اس نے کچھ کہنا چاہا مگر لنگی بندھ گئی۔ اس کی نظریں شیر پر جمی ہوئی تھیں مگر بنکٹ راؤ ہر بات سے بے نیاز صرف باباجی کو دیکھ رہا تھا۔ باباجی شیر کو چکارتے ہوئے اپنے پھرے تک لے گئے۔

کسی نے راہر رگھوجی کو خبر نہ دی۔ وہ رات نقل سنبھالے دوڑا آیا۔ اور یہ دیکھ کر ششدر رہ گیا کہ شیر باباجی کے قدموں میں بیٹھا ہے۔

”اونالائی! اب کاٹے کر آیا۔ کتے کو پھرے میں ڈالتے تو بھوکا نکور کتے، تیرے کو بھی پھرے میں بند کر دوں؟“

”نہیں باباجی!“ اس نے گھبرا کر برا برباد دیا۔ آپ اسے کھڑے ہی بند کر بیٹھے۔ لوگ ڈر رہے ہیں۔“

”یہ آپنی بند ہو جائے گا۔ کس سے بھوکا ہے۔ تو اس کے کھانے کا بندوبست کر۔“  
”میں ابھی بندوبست کرتا ہوں باباجی مگر.....“

”مگر وہ کچھ نہیں۔ بابا بگڑا بیٹھے اور پھر شیر سے مخاطب ہوئے۔ ”جارے جا، تیرا تال جا جائے گا۔ اپنے پھرے میں انتظار کر۔“

شیر نے حکم کی نوا تعمیل کی رگھوجی کو تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ شیر واقعی چومیں گھسٹا



سے مجھ کا تھا۔ گوشت کا انتظام میں آدمی کے سپرد تھا، وہ بغیر تباہے چھٹی کر گیا تھا۔ عثمان جکے سے واپس آ گیا اور بابا کے پاس دوبارہ نہ جانے کا معتمد ارادہ کر لیا۔ کرہرلی چھٹی : ایک دن عثمان کا محل ہو سٹل پہنچا۔ وہاں اسے معلوم ہوا کہ کچھ ہی دیر پہلے تاج الدین بابا اور سر سے گزرے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں ڈھاک کے پتے کا ڈوتا تھا۔ سیدھے ہندوؤں کے میس میں آئے اور رسوئی میں گھس گئے۔ ہندوؤں کے لئے یہ بات ناقابل برداشت تھی۔ چند متعصب طلبہ بہت طیش میں آئے مگر بابا کا استہرام ان کے اسادوں میں حاصل ہو گیا۔ بابا نے کرامی نماسن کا پتلا کھولا۔ پھر فوراً پلٹے اور چپتے چلاتے ڈانٹنگ ہال کی طرف نپکے۔ ایک بیٹا دھاری برہمن کے ہاتھ سے نوالہ پھین لیا اور کرامی کا پیالہ اٹھا کر فرسٹس پر انڈیل دیا۔ یہ نیکو کھاتے رہے، نیکو کھاتے ! وہ زور زور سے کہتے رہے : سب پھینک دو !

یہ پہلی تھالی تھی جو ہال میں کھانے کے لئے لائی گئی تھی۔ لڑکے بابا کی حرکتوں پر خفا اور حیران تھے لیکن وہ برہمن لڑکا اچھل پڑا جس کے قریب پیالہ انڈیل گیا تھا۔ سالن میں زہرلی مردہ چھکی پڑی تھی۔

بابا وہاں سے سیدھے اس کمرے میں چلے گئے جہاں بعد الغفار اور فضل اکبریم بیٹھے تھے۔ اسٹل میں مسلمانوں کے لئے کھانے کا بندوبست نہ تھا۔ وہ اپنے ایک اور ساتھی کا انتظار کر رہے تھے کہ کھانا باہر جا کر کھائیں۔ بابا کو دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ وہ یہاں پہلے کبھی نہیں آئے تھے۔ انہوں نے ادب کے ساتھ سلام کیا۔ بابا نے سلام کا جواب دیتے ہوئے دونا ان کی طرف بڑھا دیا۔ اس میں چو گلاب جامن تھے۔ ان میں سے دو گلاب جامن فضل اکبریم اور عباسی کو دیے ہی تھے کہ دس بارہ ہندو لڑکوں کا

مجتہاد و مہاجر آیا۔ برہمن لڑکا سب سے آگے تھا۔ وہ ہاتھ جوڑ کر بابا کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ عین اسی لمحے بابا نے دو گلاب جاسن عبد الغفار کو دیتے ہوئے کہا۔ "چھپکلی نیکو کھاتے رہے، گلاب جہانناں کھاتے، اپنا رب گشتا ہے جی۔" چہرہ و فضل اکبر ہم سے کہنے لگے۔ "عبان نیس ڈھونڈھتے جی، جیہاں چھپاتے، بروں کو اچھا بناتے، ان کے ساتھ رہے نیکو بنتے۔"

ان کی بے ربط باتوں کا مفہوم کوئی اور نہ سمجھ سکا۔ باباجی چھر چھر بے کی جانب متوجہ ہوئے۔ مسلمان کا چھڑا انکو کھاتے۔ گلاب جامناں نکو کھاتے۔ چمپکیاں کھاتے کیوں رہنے ملائی؟

"نہیں بابا" چوبے کی زبان سے نکلا اور اس کا رنگ زرد پڑ گیا۔ "نہیں بابا، چوبے آپ کا چھوڑا عشق سے کھائے گا۔ یہ کہتے ہوئے عبد الغفار نے ایک گلا جھان چوبے کو پس کیا۔ وہ آداب بجالایا اور منہ میں رکھ لیا۔ بابا نے مسکراتے ہوئے عبد الغفار کی طرف دیکھا مگر کچھ بولے نہیں۔

دوسرے بندہ راکوں نے بھی بابا کو گھیر لیا اور خوشامد کرنے لگے کہ ہمارے پاس ہونے کی دُعا کریں۔

”جاؤ رے جاؤ نالائقو! سب پاس ہو گئے۔“ انہوں نے فقط اتنا کہا اور تانگی پر سوار ہو کر چلے گئے۔

عثمان نے یہ تفصیل سنکر اندازہ لگایا کہ بابا بہت اچھے موڈ میں ہیں۔ ان سے ملنا چاہیے۔ صرف فضل الکریم نے ساتھ دیا۔ وہ اُن سے ملنے چلے۔

ولی بنادو: اسی اثنا میں بابا تانگے پر سوار آتے نظر آئے عثمان کے



قدم رک گئے۔ بابا جی نے اُسے اپنے ساتھ لیا۔ اور سیدھے شکر دروازہ ہو گئے۔ محل کے احاطے میں پہنچ کر عثمان کا ہاتھ پکڑا۔ وہ پھر مندر کی طرف گئے۔ وہاں سناٹا تھا۔ بابا جی کی آواز ابھری۔ بڑا دیو گندا ہے۔ کچھ ماں بھکتیں، اس کو ہلانے لگا، ہے نا!

”ہنسیں بابا! عثمان کی زبان سے یوں ہی نکل گیا۔ بابا نے سے بہت عجز سے دیکھا۔

”کائے کو ڈرتا رہے۔ چل میرے ساتھ۔ ٹوٹے دھاگے بھی جڑ جاتے۔“ مندر کے قریب پہنچے ہی تھے کہ کھڑے کی اوٹ سے رگوجی اور شہر کو توڑاں جبار خاں نمودار ہوئے۔ بابا جی کو دیکھتے ہی گھوڑی ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ مندر کے دو تین بھاری بھی نکل آئے اور ہاتھ جوڑ کر بابا کو روکنے لگے۔ بابا ہنس دیے اور اور جبار خاں سے مخاطب ہوئے۔ ”ارے بڑے کتے تو کائے کو آیا رہے، شیر بنے گا، پنجرے میں بند ہو گا، کیا کھائے گا رہے؟“

”بابا ولی بنا دو!“ کو توڑاں کی زبان سے بے اختیار نکلا۔

وہ چونک کر بولے۔ ”بہت بھوکا ہے۔“ مگر ولی تو یہ تھا ہے۔ ”ابنوں نے ایک پتھر کی طرف اشارہ کیا۔ پھر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گردن کو مٹی کی جنبش دی۔ جبار خاں تڑپ کر زمین پر گر پڑا۔ زبان سے اللہ ہو کہ غرے بلند ہونے لگے۔ اور مرنے بسمل کی طرح تڑپنے لگا۔ بابا جی کے سے عالم میں اسے دیکھ رہے تھے۔ دس منٹ اسی عالم میں گزر گئے تو رگوجی گھبرا اٹھا۔ بابا نے سر کو دو۔ رہ جنبش دی۔ کو توڑاں ہوش میں آگیا۔ لیکن آنکھیں اب بھی انکار سے کی طرح سرخ تھیں اور قدم رٹک رہے تھے۔

”اب اس کا سیٹ بھرا۔ کئی دن کا بھوکا تھا جی۔ بہت بھوکا ہے۔“ پھر وہ حجرے کی طرف چل دیے۔ راجہ نے رکتے رکتے کہا: کو توڑاں صاحب کے ساتھ حیف کشن، سسر خیم رابرش آئے ہیں۔ میرے محل میں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ اجازت ہو تو بلا لاؤں۔“

”بلا لے رہے، بکالے بندر کو۔“ بے چارہ پریشان ہے۔ تاج الدین کسی کو بھوکا روکتا جی۔“

عثمان بنکٹ راؤ کے قریب بیٹھا تھا۔ پہلوان بابا کی میٹھاں بھر رہا تھا۔ راجہ کے ہمراہ سرخیم ننگے پاؤں حجرے میں داخل ہوا۔ بابا جی نے بڑے اطمینان سے کہا۔ ”ارے بندر، تو کائے کو اتنا خرچ کیا؟ بچی کو ناحق تکلیف دیا۔ بیٹا کو مٹی سونگھا دیتے رہے، اچھے ہو جاتے۔“

کوئی نہ بھوکا کہ بابا کیا کہہ رہے ہیں۔ عثمان کی جگہ دروازے کی جانب اٹھی جڑواں کے قریب کو توڑاں بیٹھا نظر آیا۔ اس پر ابھی تک رزہ طاری تھا۔ اور آنکھوں سے اشک رواں تھے۔ وہی رانی، سرخیم کی بیم اور جواں سال بیٹی کھڑی تھیں۔ بابا نے ان کو دیکھا تو فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ خواتین کا بڑا احترام کرتے تھے۔ رانی کو مٹی بنا کر کھا تھا اور اسے بہت عزیز رکھتے تھے۔

”آجاؤ رہے اندر آجاؤ۔ باہر کائے کو کھڑے ہوا۔“ وہ ان سے مخاطب ہوئے۔ رانی نے ہاتھ جوڑ کر منستے کیا۔ ان دونوں نے بھی اس کی تقلید کی۔ پھر رانی رانی کا ہاتھ پکڑے آگے بڑھی۔ رانی کے سر پر پٹی بندھی تھی۔

بابا! اس کے سر میں درد رہا ہے۔ لندن میں کسی علاج سے فائدہ نہ ہوا۔ سرخیم



نے اسے آپ سے دم کرانے کے لئے وہاں سے بلوایا ہے۔ وہ ایک ہی سانس میں پوری بات کہہ گئی۔

یہ بندر تو چلا ہے جی۔ بچی کو تحفہ دیا۔ تاج الدین کو بونا تھا۔ پھر بڑے پیار سے اُسے اپنے قریب بٹھایا۔ پریشان نکو ہوتے بیٹی۔ مٹی سونگھ لیتے، اچھے ہو جاتے۔ پٹی کھول دیتے۔ شفقت اور مٹھاس ان کے بچے سے بھولی پڑتی تھی۔ لڑکی نے کچھ بھی نہ سمجھا۔ وہ اردو سے نا آشنا تھی۔ جبرت بھری نگاہوں سے بابا کو دیکھ رہی تھی۔

کون سی مٹی؟ رگھو جی نے پوچھا۔

یہ بندر لائے گا جی۔ لڑک کی مٹی لائے گا۔ بچی کو سونگھا دیتے جی۔ اچھے ہو جاتے۔ سترنجین رابرٹس بابا کی خدمت میں پہلے بھی حاضری دے چکے تھے۔ بات سمجھ گئے۔ فوراً لڑک سے تھوڑی سی مٹی لے آئے اور بچی کو اسے سونگھ لینے کی ہدایت کی۔ مٹی سونگھتے ہی لڑکی کو تین چار چھٹکیں آئیں اور ہر چھٹیک کے ساتھ اس کی ناک سے ایک کیڑا گر۔

بس بی بی بس۔ اب اچھے ہو گئے۔ بابا نے پورے اعتماد سے کہا۔

راتی نے اس کے سر کی پٹی کھول دی۔ سر کا درد بالکل غائب ہو گیا۔ فرط است سے لڑکی کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ وہ سب کے سب مر اپا لشکر و سپاس بنے ہوئے تھے۔ لڑکی کے اشارے پر سترنجین نے احساں لشکر کے ساتھ بابا جی کی خدمت میں کثیر قسم پیش کی۔ تو ان کی پیشانی پر بڑی بڑگئے۔ گران کے الفاظ میں بڑی نرمی تھی۔ تو میری بیٹی ہے۔ بی بی کو نذرانہ نہیں دیتی۔ باب بی کو دیتا ہے۔ یہ کہا اور گاؤں کیجے کے نیچے ہاتھ ڈالا۔

چند کتے لڑکی کے ہاتھ پر رکے دیے۔ اس نے خوشی خوشی سمجھ قبول کر لیا اور پھر وہ شاواں و فرحان رخصت ہو گئے۔

ادھر کو نوال جتار خاں کی زندگی میں ایک عظیم انقلاب آگیا۔ وہ ساری رات انٹر انڈیا کی فرب لگاتا رہا۔ دوسرے دن گھر کا سارا سامان لٹا دیا اور درویشی اختیار کر لی۔ سترنجین نے کچھ عرصے اسے تحفظ دیا مگر پھر کوشش کر کے وقت سے پہلے ہی پنشن دلا دی۔ احسان: لوگ نہیں جانتے کہ سی پی کے مسلمانوں کی زیادہ تر صلاح و مہم جو حضرت

تاج الدین بابا کی رہنمائی میں ہے اور پورے صوبے پر ان کا زبردست احسان ہے۔ سترنجین کی یہ ملاقات مسلمانوں کے حق میں رحمت ثابت ہوئی۔ انہوں نے بڑی تعداد میں اسکول اور مدرسے قائم کر کے تاج الدین بابا کا فیضان عام کیا۔ انہوں نے مسلمانوں کی درس گاہوں کے لئے زمینیں فراہم کیں، عمارتوں کی تعمیر میں بڑے پڑھ کر حصہ لیا۔ اور تعلیم یافتہ مسلمان جوانوں کے لئے روزگار فراہم کرتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ جیل پڑ کے مسلمانوں کا اسکول آج بھی رابرٹس انجمن اسلامیہ ہائی اسکول کے نام سے موجود ہے۔ انہوں نے وہاں ہزاروں مخالفتوں کے باوجود رابرٹس کالج بھی قائم کیا۔ ناگ پراکاشین اسلامیہ ہائی اسکول بھی سترنجین اور تاج الدین بابا کی اسی ملاقات کی یادگار ہے۔

کالج ہاسٹل میں چھپکلی دانے دانے کے چند روز بعد امتحان کا نتیجہ نکلا تو وہ سارے ہندو اور تینوں مسلمان طلبہ کا سیاب قرار دیے گئے جن کی اس روز بابا جی سے ملاقات ہوئی تھی۔ فضل الکریم، عتاسی، عبدالغفار اور چوبے جنہوں نے بابا جی کے دیے ہوئے کتاب جامن کھائے تھے، درجہ اول میں کامیاب ہوئے۔

نتیجے کے دوسرے جہان سترنجین نے انہیں طلب کر لیا۔ مفت فضل الکریم اور



جیسا کہ پہنچ سکے۔ عبد الغفار اور چوبے اپنے گھر جا چکے تھے۔ سرخمن نے ان دونوں کو  
تحقیق وار مقرر کر دیا اور دو سال بھی نہ گزرے تھے کہ وہ اسسٹنٹ کسٹر ہو گئے۔  
چند روز بعد عبد الغفار اور چوبے بھی پہنچ گئے۔ نائب تحقیق وار مقرر کئے گئے  
مگر غالی جگہیں نہ ہونے کے باعث سالہا سال کی ملازمت کے باوجود تحصیلداری سے  
آگے نہ بڑھ سکے۔ سرخمن کا تھوڑے ہی عرصے بعد تبادلہ ہو گیا تھا۔ پھر بھی وہ اپنے  
جائیش کسٹر صاحب سے یہ کہتے گئے کہ وہ مسلمانوں کی تعلیم اور ترقی میں دل چسپی لیتے ہیں گئے۔  
دُعا اور ترقی: ایک شام چوبے پر عبد الغفار، چوبے اور نورس بھی موجود تھے  
چوبے ناگ پور میں تعینات تھا اور عبد الغفار کو سب لڑکیوں کو پڑھاتا تھا۔ لیتا نے  
عثمان سے کہا کہ وہ بابا صاحب سے دعا کرے کہ ڈاکٹر چودھری کی پریکٹس چل سکے۔ چاہے  
کے بعد عبد الغفار کے علاوہ سارے مرد بابا جی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

بابا جی جڑے میں تھے اور ان پر استغراق کی کیفیت طاری تھی۔ کچھ دیر بعد وہ عالم  
حواس میں آ گئے۔ عثمان پر نگاہ پڑتے ہی ان کا چہرہ شاداب ہو گیا۔ ارے عثمان! تو  
اتنے دن سے کیوں نہ آیا؟ دیوتا سیلا ہو رہا تھا۔ اس کو ہلاتا کائے نا۔

وہ اٹھنے لگے۔ اور اس روز عثمان کو رگھو جی کی جگہ لینا پڑی۔ انہیں بابا۔ آپ  
بیٹھے رہیں۔ اور نہ جائیں۔ رگھو جی خود ہٹا دیں گے۔

”رگھو جی نکو ہٹا سکتا رہے، نکو ہٹا سکتا۔ تو کائے کو ڈرتا۔ پھر کائے کو آبارے“  
کائے کو آیا۔ جا پٹا راستہ لے۔

عثمان نے پہلی بار بابا کے سامنے زبان کھولی تھی۔ وہ ان کی گفتگو پر گہرا کے  
چپ ہو گیا۔

نفعل اکرم نے بات کا رخ بدل دیا۔ بابا جی! یہ ڈاکٹر چودھری اور نورس  
آپ سے ملنے آئے ہیں۔ اور یہ چوبے سلام کے لئے حاضر ہوا ہے۔  
”سلام کرنے کو آبارے۔ بولتا گلاب جامن سے پیٹ نکو بھرا۔ پیٹ میں درد  
ہو جائے گا۔ چھپکلی نکو کاتے رہے۔ تو کائے کا عثمان؟“  
عثمان جھینپ گیا۔

”ڈاکٹر پیٹ کے درد کا علاج کرنا۔ زیادہ کھانے سے درد ہو جاتا۔ بسندر  
اچھا رہے۔ جھنڈی دکھاتا۔“

ان پر پھر جذب کا غلبہ طاری ہو گیا۔ وہ سب بت بنے بیٹھے رہے۔ نفعل اکرم  
کے اشارے پر ساتھ کر باہر آ گئے۔ اس نے سمجھایا کہ اس کی بات کا جواب مل چکا ہے۔ مگر  
چوبے کا اصرار تھا، انہیں ایک بار پھر بابا کے پاس جانا چاہیے۔ نورس نے کوئی رائے نہ دی  
اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ اور جسم پر رزہ طاری تھا۔ ابھی وہ کوئی فیصلہ نہ کر پائے  
تھے کہ بابا خود جھڑے سے برآمد ہوئے۔ وہ لوگ ہم گئے۔

”تو ابھی تک نہیں گیا رہے عثمان، بابا کی بات نہیں مانا۔“ اس بار ان کا بھڑم  
تھا۔ اور بسندر تو سلام کرنے آیا تھا۔ تاج الدین کی دعا لینا جا، نالائق!“

عثمان اور نورس کو وہ اپنے جھڑے میں لے آئے۔ اچھا بند رہے جی، اچھا  
ہے۔ اب اندازی سے کام کرنا۔ عثمان! اس کو جامن کھانا رہے اور کیا مانگتا رہے  
بندر؟“

”کچھ نہیں بابا۔ نورس نے غوت سے کانپتے ہوئے کہا۔ بابا نے سر پر شفقت سے  
ہاتھ پھیرا۔ اور پھر انہیں رخصت کر دیا۔“



نورس اور عثمان گھر پہنچے۔ کھانے کی میز پر دو عدد گلاب جاسن دیکھ کر حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ ملازم نے بتایا کہ بیکٹ راؤ کا لڑکا دے گیا ہے۔ ان کے گھر نیاز دولائی گئی تھی۔ یہ اس کا بڑا بھائی ہے۔

”نیاز کسی ! وہ تو ہندو ہے“

”ہندو ہونے کے باوجود ہر جمعرات کو حضرت علیؑ کے نام کی نیاز دلوانا ہے۔ باباجی کی ہدایت کے مطابق عثمان نے گلاب جاسن نورس کو اصرار کے ساتھ کھلا کر کھانے کے بعد وہ رخصت ہو گیا۔ ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ اس کی ترقی کے احکام آگئے اور وہ ڈوڈیئرل سپرنٹنڈنٹ ہو کر بمبئی چلا گیا۔

فصل الکریم ایم۔ اے۔ سی کے ہندو پرفائز ہو کر بلاسپور کی طرف کوچ کر گیا۔ بمبئی سے عثمان کی ترقی کا اکرڈر آیا تو وہ پس و پیش میں پڑ گیا۔ لوگوں کا خیال تھا اسے بابا کو ڈوڈی گوارانہ ہوگی۔ اور وہ ناگ پور نہ چھوڑے گا۔ مگر اس کے لئے اس تاجر کے خلاف عمل کرنا بہت دشوار ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر چودھری ہنوز ترقی کی راہ تک رہا تھا۔ پھر اچانک راجہ بلاسپور کے یہاں سے اس کے لئے بلاوا آ گیا۔

گھڑی پر سوار ہوتے وقت چودھری کی نگاہ بیکٹ راؤ پر جا پڑی۔ وہی اس گھڑی کا گارڈ تھا۔ اگلے اسٹیشن پر وہ اس کے پاس آیا اور باباجی کا پیغام دیا۔ ”میں کو کھرا کھلا“ ڈاکٹر چودھری کی سمجھ میں کوئی بات نہ آئی۔ تاہم وہ مسٹر بل مفسر وکاب پہنچ گیا۔ اور یعنی کہ اپنے ساتھ واپس لے آیا۔ وہ راجہ صاحب کا بھتیجا اور ہونے والا داماد تھا۔ اس کے پیٹ میں اس قدر شدید درد ہوتا کہ وہ تڑپ تڑپ جاتا تھا۔ بٹھے بٹھے ڈاکٹر اس کے علاج سے مایوس ہو چکے تھے۔

چودھری نے دو تین روز علاج کیا مگر مرض کی شدت میں اضافہ ہوتا گیا۔ اسی دوران بیکٹ راؤ نے ایک بار پھر بابا کا پیغام یاد دلایا۔ تب اس نے کمرے کا سفوف کھلا کر فریج کیا اور آٹھ دس روز میں مرض مکمل صحت یاب ہو گیا۔

اس کا راسے سے چودھری کی شہرت کو چار چاند لگ گئے اور وہ بڑے معقول مشاہیر سے راجہ صاحب کا ذاتی معالج مقرر ہو گیا۔ تین مہینے کے اندر اندر اس کی پیکش اس قدر بڑھ گئی کہ سر اٹھانے کی مہلت نہ رہی۔

عثمان اس ماحول میں مہینی گزارا تھا۔ اس کا دل اُٹھاٹ ہو گیا۔ اور اس نے وہاں سے اپنا تبادلہ کر لیا۔ وقت دبلے پاؤں گزرتا رہا۔ ایک روز وہ فضل الکریم کے پاس بلاسپور پہنچا۔ وہ بڑے تپا ک سے ملا اور زبردستی اپنے یہاں ٹھہرا لیا۔

دیوکارا : دونوں رات بھر باتیں کرتے رہے۔ فضل الکریم نے حیرت انگیز انکشافات کئے۔ باتوں ہی باتوں میں بھوت بنگے کا ذکر چھڑ گیا۔ فضل الکریم نے کہا کہ میں نے اس بنگے میں وقوع پذیر ہونے والے سارے واقعات کا کھوج لگا لیا ہے۔ تاہم ایک دو کڑیاں باقی ہیں۔ تمہیں اپنے خاندان کے بارے میں کچھ بتانا ہوگا۔ باباجی کی بات سے مجھے اندازہ ہوا ہے کہ جو نسل خاندان سے تمہارا کوئی تعلق ہے۔

عثمان نے اعتراف کرتے ہوئے بتایا کہ ہمارے پردادا نے اسلام قبول کیا تھا۔ ان کا تعلق چھوٹا ناگ پور کے مرٹھ خاندان سے تھا۔

فضل الکریم کی آنکھوں میں عجیب سی چمک پیدا ہوئی اور اس نے نہایت قدیم و تاریخ نمانے ہوئے کہا کہ شاید تمہیں معلوم نہ ہو کہ راجہ رگھو جی کی جاگیر حال ہی میں کورٹ آف وارڈ سے واپس آئی ہوئی ہے۔ گورنمنٹ نے مجھے اس کا سٹوڈین مقرر کیا اور اس سلسلے میں



گزشتہ یاد مجھے مہی جانا پڑا۔ رگوجی کا محل مسترزوں کی وجہ سے کچھ سرکاڑھا ہو چکا ہے۔ فضل الکرم نے سر و آہ بھرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی: شاید تمہیں علم نہ ہو رگوجی کی اس وقت کرن ادلا نہیں ہے۔ اور اس کے خاندان کے سارے افراد انگریزوں نے پہلے ہی تہ تیغ کر دیے ہیں۔ لیکن راج کمار روپوش ہو چکا تھا۔ اس کا سرخانہ نہیں مل سکا۔ یہ کہہ کر اس نے دستاویز پر ایک جگہ انگلی رکھ دی اور عثمان سے پوچھا: تمہارے پردادا کا سابقہ نام یہ تو نہیں تھا؟

عثمان نے اپنے حلقے پر زور دیتے ہوئے کہا: غالباً ہماری دادی ہی نام بتاتی تھیں۔

فضل الکرم نے تقریباً اچھل کر اپنے جذبات ظاہر کئے: عثمان! تم نے بابا کی بات نظر انداز کر کے اور مندر کے بت کو نسل زدے کر بہت بڑی غلطی کی ہے ورنہ رگوجی کے ساتھ تمہارے بچاؤن پھر جاتے۔ اب تو سب کچھ ختم ہو چکا۔ افسوس!“

”یہ تم کیا کہہ رہے ہو، کریم! میری بھو میں خاک بھی نہ آیا۔ عثمان بھونچکا سا رہ گیا۔

فضل الکرم نے بتایا: رگوجی کے مال و اسباب کی مسترقی اور غلطی کے دوران یہ دستاویز کشتہ کے ہاتھ لگی۔ اس میں یہ بھی درج تھا کہ مندر اور مہادیو کا بت کہاں ہے۔ وہ زمین آدمی تھا۔ اس نے سرائے لگایا۔ راہکار بالاجی مستر اس سے پہلے ڈور و زنجاروں کے ہمیں میں محل کے احاطے والے مندر کے اندر روپوش رہا۔ اس نے پہرہ بٹاکر مہادیو کے بت کو نسل دیا۔ سینڈور کی موٹی تہ اندر وادی۔ اس سے بت کی پشت پر کھدی ہوئی وہ تھسیر برائے آئی جس میں دھینے کے مقام کی نشان دہی کی گئی تھی۔

عثمان نے دستاویز کو ایک بار پھر خود سے دیکھا اور اسے یاد آ یا کہ اسی تحریر اور دستخط کے چند پرانے کاغذات اس نے پردادی کے صندوقچے میں دیکھے تھے مگر چند ہی روز پہلے گھر کی معافی کرتے وقت وہ سب کچھ بکریوں کو بیچ دیے تھے۔

فضل الکرم نے اپنا سر پیٹ لیا: یہ تو بہت ہی بُرا ہوا۔ اب تم اپنا استحقاق ثابت نہیں کر سکتے۔ میری تمام کوششیں بے کار گئیں۔ میں نے تمہاری خاطر یہ دستاویز بکڑ سے اڑا کر اپنی تحویل میں لے لی تھی حالانکہ یہ بڑا سنگین جرم ہے۔ پھر اس نے دستاویز کو پڑے پڑے کرتے ہوئے کہا: اب اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس سرے پر ہنگامے کے آسیب کاراز بھی بنایا جاسکتا ہے۔

اور پھر حجاب ورجاب پر دے مٹھنے لگے۔

”بھوت بنگلو ہرگز آسیب زدہ نہ تھا۔ تم نے جو سبب مارے تھے وہ ناگ تھے۔ دراصل رات کی تاریکی میں وہ چمت گیری اور چھپرے کے دریاں غالی میں گس جاتے اور وہاں بننے والے پرندوں کے اندھے بچے کھا جاتے۔ پرندے شرعاً جاتے اور چم کر اڑ جاتے۔ رات کے شامے میں ان پرندوں کی پھڑ پھڑاہٹ، گرنے کی پھٹا پھٹ اور غلی جلی جلی جھنجھکا کا شور گونجتا تو ماحول اور بیباک ہو جاتا۔ بھوت پریت کا دھمکے پہلے ہی ذہن پرستہ تھا اس نے چھوٹے موٹے ہنگامے کچھ اور ہی صورت اختیار کر لیتے تھے۔

مدراس کے رہنے والے دیو جی راؤ پولیس میں  
الشدائد کے لیے طے جاؤ  
 ہیڈ کانسٹیبل تھے ان کا کہنا ہے: ایک دن  
 میں سی آئی ڈی سب انسپکٹر عبدالکریم صاحب کے گھر گیا۔ ان کے ہاں کسی بزرگ کی دو  
 تصویریں آویزاں تھیں۔ میں نے پوچھا: جناب! کیا یہی حضرت بابا تاج الدین ہیں۔ انہوں



نے ثبات میں جواب دیا۔ میں نے عبدالکریم صاحب سے ایک نوٹ اپنے لئے بھی مانگا۔ لیکن انہوں نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ ایک ماہ بعد میں بابا صاحب کے پاس جاؤں گا۔ اگر تم چاہو تو میرے ساتھ چلنا۔ میں نے ان سے ریل کا خرچہ دریافت کیا تو انہوں نے بتایا 'پچاس روپے'۔ میں نے پوچھا کہ پچاس روپے تو میری تنخواہ ہے۔ اگر میں پچاس روپے سفر خرچ پر صرف کر دوں تو گھر والوں کو کیا دوں گا۔ عبدالکریم صاحب نے کہا تو پھر تم بابا صاحب کے پاس کیسے جاؤ گے؟ میرے ذہن میں ایک خیال آیا اور میں نے جواب دیا، میں پولیس میں ہوں۔ گورنمنٹ مجھے ڈپٹی ہرنالک پور بھیجے گی تو بابا صاحب کے درشن کا موقع مل جائے گا۔ عبدالکریم صاحب نے کہا، تمہاری نوکری میری اس میں مستقل ہے، ہمیں نال پر کس طرح بھیج دیا جائے گا؟ میں نے کہا، کچھ بھی ہو، میرا دل چاہتا ہے کہ میں بابا صاحب کے درشن کروں۔ اگر میرا جذبہ صادق ہے تو بابا صاحب خود مجھے بلا لیں گے۔

اس واقعہ کو چند روز گزرے تھے کہ ۱۹۲۰ء میں کانگریس کے سالانہ جلسہ کے لئے ناگ پور کا انتخاب کیا گیا۔ افسر بلائے عبدالکریم صاحب کو حکم دیا کہ وہ مجھے ساتھ لے کر ناگ پور جائیں۔ عبدالکریم صاحب نے مجھے اس سرکاری حکم سے لاعلم کر کے کنٹرول رپورٹ دی کہ یہ ہیڈ کانسٹبل (یعنی میں) میرے ساتھ جانے کے قابل نہیں ہے۔ کہوں کہ اسے اختلاف طلب کی شکایت ہے۔ بے سفر اور محنت کی وجہ سے کام کرنے کے قابل نہیں رہے گا۔ کنستبل صاحب اس درخواست پر بہت ناراض ہوئے اور سختی سے کہا کہ کچھ بھی ہو، یہی ہیڈ کانسٹبل تمہارے ساتھ جائے گا۔ ہم ناگ پور پہنچ کر کانگریس کے جلسے میں شریک ہوئے اور ڈپٹی انچارج دینے

لگے۔ ایک دن مجھے دل کی شدید تکلیف اٹھی۔ میں نے پریشانی اور گھبراہٹ کے عالم میں عبدالکریم صاحب سے کہا کہ آپ مجھے مدراس روانہ کر دیں۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے، کل چلے جانا۔ میں اگلی صبح ریتھا تو خیال آیا کہ کتنی بد قسمتی کی بات ہے کہ میں بابا صاحب کے درشن کا آرزو مند تھا اور اس کے لئے جان کی بازی لگا کر ناگ پور بھی آ گیا۔ لیکن اب حالت یہ ہے کہ میں بغیر ملے واپس جا رہا ہوں۔ پھر سوچا کہ ریل ۱۲ بجے روانہ ہوگی اور سنا ہے کہ بابا صاحب تانگے پر بھی باہر نکلتے ہیں، کیا ہوا چھا ہو کہ راستے میں ان سے ملاقات ہو جائے۔ ابھی میں باہر کھڑا سوچ رہا تھا کہ شور اٹھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک صاحب تانگے پر بیٹھے آ رہے ہیں اور ساتھ میں لوگ دوڑ رہے تھے۔ میں نے بابا تاج الدین کو پہچان لیا۔ خوشی کے عالم میں ان کی قدم پوچھ کے لئے دوڑا اور جوں ہی تانگے کے قریب پہنچا، دل میں شدید درد اٹھا اور قریب تھا کہ میں گر پڑوں بابا صاحب نے میرے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا: "مٹھر جا"۔ میں رک گیا۔ گاڑی آگے چلی گئی اور میں گھوٹ گیا۔ میں عبدالکریم صاحب کا انتظار کرتا رہا کہ وہ آئیں تو میں ان کے ساتھ اسٹیشن جاؤں لیکن وہ نہیں آئے اور میری گاڑی چھوٹ گئی۔ تین بجے کے قریب میں دوبارہ بابا صاحب کے درشن کو نکلا۔ آپ دوبارہ تانگے میں سوار آئے۔ میں نے بابا صاحب کے چہرے پر نظر ڈالی تو ان کی آنکھیں بند تھیں۔ میں نے سوچا نہ جانے کیا رہے کہ بابا صاحب نے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ بابا صاحب نے آنکھیں کھول کر فرمایا: "اے"

جو رہے، ہو جائے گا، اسٹیشن کر کے بیٹھ جا، نوکری چھوڑ دے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ اگر نوکری چھوڑ دوں تو گزر بسر کیسے ہوگی۔ بابا صاحب نے کہا: ارے کیا پیٹ لگایا رہے، تجھے پاؤ پیٹ بھی دیا رکھ لے کر، اسٹیشن بول کر گزار دے۔



میں نے سوچا، ڈاکٹر کہنے میں کہ دل کی حالت خطرناک ہے۔ میں تو ایک مہینہ شاید  
 ہی زندہ رہوں۔ بس یہ آخری دن اشدراشد کر کے گزار دینے چاہیے۔  
 بابا صاحب نے ارشاد فرمایا: ارے ان باتوں کا کیوں خیال کرتا رہے، جا  
 اشدراشد کر۔  
 میں مدد اس واپس آکر چھ سال تک فوکر میں رہا اور پھر نیشن پاکر اشدراشد  
 کر رہا ہوں۔ اب زیرے دل میں درد ہے اور نہ کوئی دوسری شکایت ہے۔

یہ بات شاہدے میں آئی ہے کہ کہ ایسے لوگ جن کی قوت فکر و مشاہدہ  
 تیز ہوتی ہے اور جو حساس طبیعت رکھتے ہیں، اکثر شاعرانہ صلاحیت کے مالک  
 ہوتے ہیں۔ شاعری ایک ایسا ذریعہ ہے جس کے ذریعے طویل شکل اور گہرے  
 مضامین کو مختصر طور پر اور آسانی سے دوسرے تک پہنچایا جاسکتا ہے۔ جس بات  
 کے لئے نثری صورت میں کئی صفحات درکار ہوتے ہیں۔ شاعری لباس میں اسے چند  
 مصرعوں میں مقید کیا جاسکتا ہے۔

اولیائے کرام اور صوفیائے عظام کے حالات پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے  
 کہ ان میں اکثر حضرات شاعرانہ انداز بیان پر قدرت رکھتے تھے۔ تاریخ تصوف  
 ایسے کتنے ہی عظیم المرتبت لوگوں کی امین ہے جو عرفان و آگہی کے ساتھ ساتھ اعلیٰ  
 درجہ کے شاعر بھی تھے۔

حضرت بابا تاج الدین اولیاءؒ نہ صرف شاعرانہ ذوق کے حامل تھے بلکہ شعر گوئی  
 کی صلاحیت بدرجہ کمال ان کے اندر موجود تھی لیکن بے نیازی اور مزاج میں تنفر  
 کی وجہ سے آپ مروجہ حوزوں میں شاعری کی طرف رجوع نہیں ہوئے۔ جو کچھ پایا  
 صاحب نے کہا اس کو نہ خود مقبلاً تحریر میں لائے اور نہ ایسے حالات پیدا ہوئے کہ



کوئی اور سنکر کھ لیتا۔ صرف چند اشعار ریکارڈ میں آئے۔ باقی کلام لاطینی اور عدم دستیابی کے اندھیروں میں گم ہو کر رہ گیا۔ بابا تاج الدین دلس ملو کا تخلص کرتے تھے جس کے معنی خدا کا بندہ ہے۔ ذیل میں ہم بابا تاج الدین کے اشعار اور ان کے معانی اور مختصر تشریح پیش کر رہے ہیں تاکہ قارئین کو اشعار کی مغزیت سمجھنے میں مدد ملے۔

(۱) اَج سکر کریں نہ چا کری بھی کریں نہ کام  
و اَس ملو کا کہ گئے اسب کے داتا رام

ترجمہ: چوہائے ملازمت نہیں کرتے اور ہر مذہب کا دوبارہ نہیں کرتے پہرہ  
مذق ان کو ملتا رہتا ہے۔ داس ملو کا بابا تاج الدین کا کہنا ہے کہ دوستو! سب کی پرورش کرنے والا اللہ ہے۔

(۲) مالش ہے سب آتما، مالش ہے سب راکھ  
ہندی کی گنتی نہیں، ہندی میں سو لاکھ

ترجمہ: آدمی سب راکھ (آتما) ہے اور سب اسب مٹی (دکھ)  
بھی ہے۔ صفر اگر شمار نہیں کیا جاتا لیکن صفر ہی ہے گنتی کی قیمت لاکھوں تک پہنچ جاتی ہے۔

تشریح: بابا صاحب آدمی کو محض مٹی (گوشت پرست) سے مرکب تسلیم نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ آدمی بظاہر مٹی معلوم ہوتا ہے لیکن مٹی کے ساتھ ساتھ وہ روٹینوں کا مجموعہ بھی ہے۔ ایسا مجموعہ جو کائنات کی ترجمانی کرتا ہے۔ مایوس کن بات یہ ہے کہ انسان نے خود کو مظاہر (مٹی) کا پابند بنا رکھا ہے۔ اگر انسان اپنی ذات (روحانی) سے واقف ہو جائے تو مظاہر (اپس) کی گرفت خٹ جاتی ہے اور وہ اپنی

روحانی اور اختیار سے مظاہر میں تبدیل کر سکتا ہے۔ یہی عرفانِ نفس ہے۔

(۳) دام و دُر کی ریس میں رام کت گن گائے  
پر بھو کی سو گند ہے ڈھٹ اُسے مل جائے

ترجمہ: ظاہر پرست خدا کی تسبیح اور عبادت کا دکھاوا کرتا ہے۔ اللہ کی قسم! اس کو اللہ تو نہیں مل سکتا، البتہ شیطان اُسے مل جاتا ہے۔

(۴) تن پاپی، من کاہرہ، اُجیارے سب کیس  
منذر کا ویک نہیں، رشپوں کا سا نہیں

ترجمہ: جسم گناہوں سے آلودہ ہے، دل سیاہ ہو چکا ہے۔ مہربان چیزوں کو سفید بالوں نے چھپا رکھا ہے۔ محض اللہ والوں کا خلیہ بنائینے سے یا ان کے صبا باس پہن پینے سے دل کے مندر روشنی نہیں ہو سکتی۔

(۵) سائے بن کی رات میں بن باسی بن جائیں  
و اَس ملو کا ساتھ میں جاگیں اور لہرائیں

ترجمہ: خشک کی رات میں سائے آدمی بن جاتے ہیں۔ داس ملو کا (تاج الدین) ان کے ساتھ جاگنے رہتے ہیں اور خوش گتیاں کرتے رہتے ہیں۔

تشریح: یہ دردِ با اس زمانے سے تعلق رکھتا ہے جب بابا صاحب رات کو ریاضت و مراقبہ کی غرض سے بابا دودھنی راکے نزار پر جایا کرتے تھے۔ بابا صاحب کہتے ہیں کہ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ مظاہر بے حس و حرکت ہیں اور ان میں زندگی نہیں ہے لیکن درحقیقت ان میں زندگی کے تمام آثار موجود ہیں۔ شب بیداری کی وجہ سے موجودات کا باطنی رخ سامنے آ جاتا ہے اور تاج الدین رات بھر شبی مشاہدات میں



ستفراق رہتے ہیں۔

ماہ ذیقعد ۸۸۷ھ میں بابا صاحب معمول کے مطابق گھوٹنے نکلے اور ڈگری کے پل پر بیٹھ گئے۔ ماضین بھی آپ کے قریب بیٹھ گئے اور اپنی اپنی مشکلات بیان کرنے لگے۔ بابا صاحب حضرت فرید الدین تاجی سے مخاطب ہوئے۔

”تاج المعارفین، اسراج السالکین، تاج الملوک۔ جانتے ہو یہ کون ہے؟“  
فرید صاحب نے جواب دیا: آپ کے سوا کون ہو سکتا ہے؟

بابا صاحب۔ فرمایا: ہو بابو!

ایک لمحہ توقف کے بعد بابا صاحب نے پوچھا: عید کا چاند دیکھا گیا؟

عرض کیا گیا: رمضان کی عید ہو چکی۔ اب عید یعنی کا چاند دکھے گا۔

بابا صاحب نے فرمایا: ہو بابو۔ اب اس کے بعد چاند نہ دکھے گا۔

اسی ماہ بابا صاحب کی طبیعت قدرے خراب ہوئی جس کی وجہ سے آپ باہر

تشریف نہیں لائے۔ ایک دن صبح بابا صاحب نے شکرورہ کا وہ گھنٹہ کھولا جو مہاراجہ رگھو جی کے پہرے دار بچایا کرتے تھے۔ اور کہا۔

”یہ گھنٹہ تاج آباد میں بجے گا۔“

تاج آباد اُس زمانے میں ایک غیر آباد اور ویران جگہ تھی جو امر پٹرو ڈپرواق



سحقی۔ اس جگہ صرف چند جو پڑے اور پھوس کی ایک مسجد تھی۔ حضرت فرید الدین صاحب کی ایما پر اس زمین کا نام تاج آباد تجویز ہوا تھا۔

شکر درہ سے بابا صاحب تاج آباد پہنچے۔ اور پھوس کی مسجد میں بیٹھ گئے کھانا طلب کیا۔ اور کچھ کھا کر وہاں سے میر پٹھ کی طرف روانہ ہوئے۔ چلتے چلتے ایک میدان میں بیٹھ گئے۔ مٹی بھرٹی اٹھانی، سونگھا اور سنسرایا۔

حضرت! یہی بہت اچھی ہے۔ ہمارے لئے یہاں بنگلہ بنا دیجئے تو رہیں گے۔

پھر فوراً ہی سنسرایا۔

تکڑے چپ، جو پڑا رہا تو بس۔

بابا صاحب کی طبیعت گا ہے۔ گا ہے خراب رہنے لگی۔ آپ کا معمول تھا کہ زمین کو شہر کی طرف مزدور جاتے تھے۔ خدام بابا صاحب کو قہقہہ میناتے اور آپ عمار باز دیتے۔ اس کے بعد آپ نانگے پر سوار ہو کر نانگور کی گلی گلی اور سڑکوں پر گھومنے اور لوگوں کو دیدار سے مشرف کرتے۔ اس طرح لوگوں سے ملاقات کرتے تھے۔ بابا صاحب کی سواری کو دیکھ کر لوگ دوڑے ہوئے آتے اور سلام عرض کرتے۔ مشتاقان دید کی پیاسا دیکھتی تو تانگے کے ساتھ دوڑتے جاتے۔ بابا صاحب اپنے مخصوص پہچے میں لوگوں سے گفتگو کرتے رہتے۔

اس دفعہ بقرعید کا چاند ہوا لیکن روایت کے خلاف بابا صاحب نے لوگوں کی بہت کوشش اور عرض کے باوجود نہ نیا کپڑا پہنا اور نہ شہر کی جانب گئے۔ نہ صرف عید النبی کے دن بلکہ اس کے بعد پورے مہینے بابا صاحب کی طبیعت ٹھیک نہیں رہی۔ آپ کبھی باہر جاتے اور کبھی نہیں۔

محرم ۸۵۳ھ آگیا۔ بابا صاحب کا معمول تھا کہ محرم کی دس تاریخ کو سبز چٹہ زیب تن کر کے شکر درہ سے باہر ایک میدان میں تشریف لے جاتے جو میدان کر بلا کہلاتا تھا۔ میدان کر بلا کی یہ عارضی نہایت شان اور دبدبے کی ہوتی تھی۔ سب سے آگے مہاراجہ رگوجی راؤ باہمی پر سوار ہوتے۔ اور ان کے آگے پیچھے سپاہی ہاتھ میں نیزے لے ساتھ چلتے۔ مہاراجہ کی سواری کے پیچھے حضور بابا صاحب کی بگھی ہوتی تھی جس کے ساتھ دو نشان بردار چلتے تھے۔ بابا صاحب کی سواری کے ساتھ ان کے بچوں میں سے جناب محمد حسین بابا صاحب، خواجہ علی امیر الدین صاحب اور جناب قلا قادر علی الدین صاحب کی سواریاں ہوتی تھیں۔ بابا صاحب کی بگھی کے اطراف عقیدت مندوں اور ان سے کافی تعلق رکھنے والے حضرات کا جھوم ہوتا تھا۔ یہ جھوس میدان کر بلا گھوم کر وہاں ہوجاتا تھا۔ دس محرم الحرام ۸۵۳ھ کو روایت کے مطابق بابا صاحب جھوس کے ساتھ میدان کر بلا کی طرف چلے۔ شکر درہ سے نکل کر کچھ دور پہنچے تو آپ نے وزیر نامی نشان بردار کے ہاتھ سے نشان لے کر خود اٹھایا اور یہ اشعار آپ کی زبان پر جاری ہوئے

امام دیں سلطان دینیت شاہوں کے سرور حسین

دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ اس وقت بابا صاحب کی عجب شان تھی۔ آپ کے اندر حضرت علیؑ، حضرت عباسؑ اور حضرت حسینؑ کا عکس نظر آ رہا تھا۔ بابا صاحب کی نسبت حسینی کو دیکھ کر لوگ بے اختیار قدم پوس کر رہے تھے۔ ہزاروں افراد کا مجمع ساتھ تھا۔ اور لوگ دیکھ رہے تھے کہ بابا صاحب کا دریاے عطا جوش میں ہے ہوجاتا ہے اُسے عطا کا شرہ سناتے ہیں۔

محرم کی ۱۶ تاریخ کو بابا صاحب قدرے بھاری میں مبتلا ہوئے۔ مہاراجہ رگوجی



اور دیگر جاں نثار متفکر ہو گئے کیوں کہ ادھر دواہ سے بابا صاحب نے کچھ تشویشناک اشارے دینے شروع کر دیئے تھے۔ مہاراجہ نے کئی ڈاکٹر یا صاحب کی خدمت میں مقرر کر دیئے اور بابا صاحب کے عقیدہ مند حکیم خضر حسین صاحب بھی ہمہ وقت بابا صاحب کے پاس موجود رہنے لگے۔ بابا صاحب کے معتقد ڈاکٹر جو کچھ صاحب بھی آئے۔ انہوں نے بابا صاحب کو دیکھا اور کہا کہ مجھے کوئی ایسی بات نظر نہیں آئی جس کا علاج کیا جائے تمام کوششوں کے باوجود بابا صاحب کی طبیعت روز بروز گرتی گئی۔

بابا صاحب کی طبیعت کا رجحان اور طبع پر عمل دیکھ کر مہاراجہ رگھو جی نے ارادہ کیا کہ تمام لوگوں کو بابا صاحب سے ملنے کے لئے بلا لیں۔ بابا صاحب نے بھی مہاراجہ کو حکم دیا کہ خام اعلان کر دیا جائے کہ ہر شخص ملاقات کے لئے آ سکتا ہے

۲۶ محرم کا سورج طلوع ہوا۔ آج جاں نثاروں اور خادموں کو بابا صاحب کے انداز و اطوار پہلے ہوئے معلوم ہو رہے تھے۔ اور یہ سب بلی ان کے لئے اضطراب کا باعث بنتی جا رہی تھی۔ اسی اضطراب و تشویش کے عالم میں دن ڈھل گیا اور مغرب کا وقت قریب آ گیا۔ بابا صاحب پٹنگ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ چاروں طرف لوگ موجود تھے سب کی بے چین اور بے قرار نظریں بابا صاحب کے چہرے پر تنگی ہوئی تھیں۔ یکایک بابا صاحب پٹنگ سے اُٹھے اور حاضرین پر شفقتانہ نظر ڈالی۔ پریشان اور دل گرفتہ جاں نثاروں کو تسلی آمیز کلمات سے مخاطب کیا اور ہاتھ اٹھا کر سب کے لئے دعا کی۔ آپ کا اندازہ تھا طلب بدلا ہوا تھا۔

دعائے اور کلمات تسلی و تشفی کے بعد بابا صاحب پٹنگ پر لیٹ گئے اور ایک بلبلہ گیسری سانس کے ساتھ ہی آپ کی روح پر فتوح نے جسم خاک سے رشتہ

منقطع کر لیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

یوم وصال سپر تھا۔ تاریخ ۲۶ محرم الحرام ۱۳۸۷ مطابق ۱ اگست ۱۹۲۵ء

یہ حادثہ حاضرین کے دل پر کبلی بن کے گرا۔ ان کے دل کی دنیا زیر و زبر ہو گئی۔ آنکھیں بے اختیار آنسو برسائے لگیں۔ باپ سے زیادہ شفیق اور ماں سے زیادہ مہربان ہستی کی جدائی ان کے لئے قیامت سے کم نہ تھی۔

بابا صاحب کے وصال کی خبر محل سے نکل کر شکر دورہ میں پہنچی اور جنگل کی آگ کی طرح سی پی اور برار میں پھیل گئی۔ پورا ناگ پور ماتم کدہ بن گیا۔ ہر مذہب اور ملت کے لوگ جوق در جوق اپنے بابا کے آخری دیدار کے لئے آئے لگے۔ چوبیس گھنٹے تک لوگ زیارت کرتے رہے لیکن پھر سبھی لوگوں کا جھوم کم نہ ہوا۔ لوگ پروانہ دار جنازے کا طواف کر رہے تھے اور یوں روز بے تھے جیسے ان کے مانتوں پریشی کا داغ لگ گیا ہو۔

مدفن کے لئے وہی مقام منتخب کیا گیا جس کی مٹی زمانہ حیات میں بابا صاحب نے سونگھی تھی۔ جنازہ مبارک کو تمام شہر میں گھمایا گیا۔ مہاراجہ کے محل سے سرس پٹیا جمعہ دروازہ، گانج کیت، اتوارا ہوتا ہوا جنازہ تاج آباد لایا گیا۔ تقریباً تیس ہزار افراد پروانہ دار جنازے کے ساتھ تھے۔ نماز جنازہ مولوی محمد علی صاحب نے پڑھائی جو امراتوں میں مددیں تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ میں نے بابا صاحب کو جنازے کے باہر کھڑے دیکھا۔

ہندوستان کے اخبارات نے بابا صاحب کے وصال کی خبر کو جلی حرقوں سے





شائع کیا اور پھر سے لکھے۔

بجنور کے اخبار "مدینہ" نے ۱۲ دسمبر ۱۹۲۵ء کو حضور بابا صاحب کی وفات پر اس طرح اظہار خیال کیا۔

"حضور کی زندگی میں لوگ دور دور سے آپ کی زیارت کے لئے آتے تھے۔ جو شخص حاجت مند آتا، حضور حق تعالیٰ سے اس کی شکل کشائی اور حاجت روائی کی دعا فرماتے۔ کثرت سے عقیدت مند اور مریض، اکوڑھی، اپاج، آسیتب زدہ اور دیگر قسم کے حاجت مند آپ کی امداد کے خواہاں دربار میں پڑے رہتے تھے۔ ہر آدمی آپ کے دُور سے فیض باطنی و ظاہری حاصل کرتا۔ ہر وقت لنگر خانہ جاری رہتا تھا۔ مسدہا غریب، مسکین، یتیم و سیر کی پرورش کا سامان دربار میں موجود تھا۔  
آندھرا پتھر بجائے ۲۲۔ اگست ۱۹۲۵ء کو لکھا۔

"رام ایک جہم میں آکر چلا گیا اور اب تاج الدین بابا کے جہم میں آیا تھا جوہر اگست ۱۹۲۵ء کو اس دنیا سے چلا گیا۔ اور دنیائے فسوس کو پہچانا نہیں۔"

حضرت بابا صاحب ایک صاحب اختیار ولی ہیں۔ ان کی کرامات اور فیوض و برکات ان کے پروردہ فرمانے کے بعد ہی باری و ساری ہیں۔ چنانچہ ناممزا آفت انڈیا اپنی ایک اشاعت میں رقم طراز ہے:

ناگ پور سے ایک عجیب داستانے کی خبر آئی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص جو کچھ عرصہ قبل موڑ کے حادثے میں لنگرا اہو گیا تھا اور ناگ پور ریلوے اسٹیشن کے قریب بھیک مانگ کر اپنا پیٹا بھرتا تھا، وہ موت ایک رات میں صحت یاب ہو گیا۔ اس شخص نے ہمارے نام لنگرا کو بتایا کہ اس نے گزشتہ ماہ ناگ پور کے ایک مسلمان بزرگ کے مزار پر



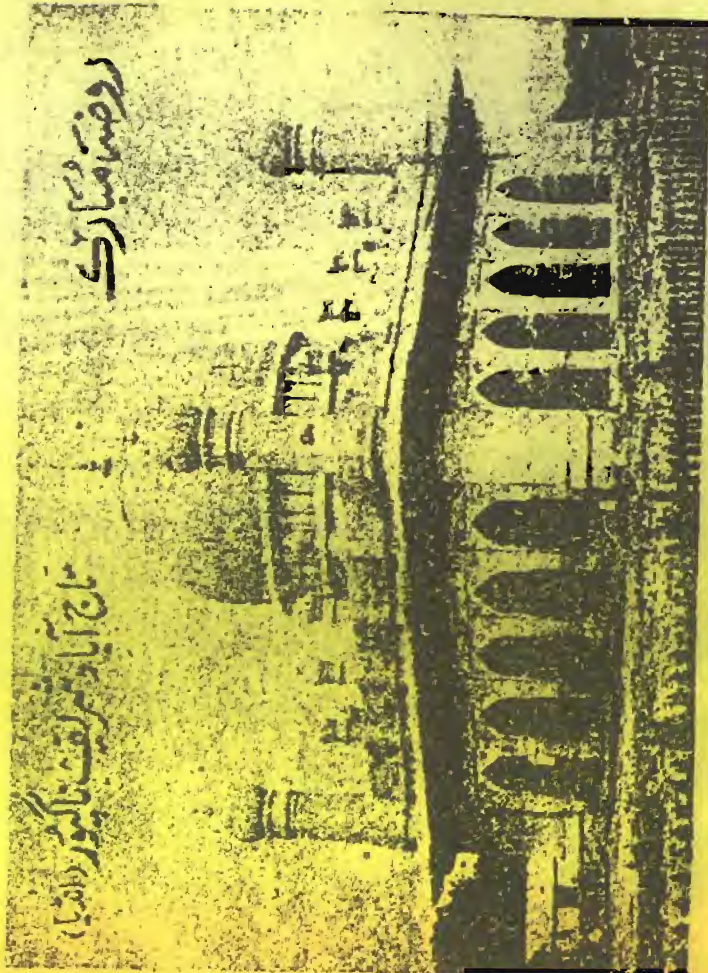
حاضری دہی اور اپنی صحت یابی کے لئے دُعا میں مانگیں۔ لیکن کئی ہفتے کی مدت گزر جانے کے بعد بھی کوئی آفاقہ نہ ہوا۔ اس کے بعد اس شخص نے بدول اور ماہری کے ساتھ حضرت بابا صاحبؒ پر شدت سے لعن طعن کیا۔ رات کو اس شخص نے خواب میں دیکھا کہ حضرت بابا صاحبؒ سفید کام پہنے ہوئے تشریف لائے اور اس لشکر کے کو حکم دیا کہ سیدھا کھڑا ہو جائے۔ کئی مرتبہ کہنے کے بعد بھی وہ کھڑا نہ ہوا تو حضرت نے اُسے کچھ ٹھانی کھلائی اور شربت پلایا۔ پھر ایک ٹھوکر مار کر حکم دیا کہ وہ کھڑا ہو جائے۔ لشکر اُن کی آن میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

ہمارے نامہ نگار کا بیان ہے کہ ناگ پور میں متعدد دشمنان موجود ہیں جو اس واقعے کی تصدیق کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ شخص مذکور اپنے تنگب کی وجہ سے اس ہفتے تک زمین پر ریگتا پھرتا تھا۔

ہر سال بابا تاج الدینؒ کا عرس ۲۶۔ محرم سے شروع ہو کر ۲۹۔ محرم تک جاری رہتا ہے۔ ناگ پور کے علاوہ بہت سے دوسرے مقامات پر بھی آپ کا عرس منایا جاتا ہے۔ ناگ پور میں آج بھی مندل شریف ان ہی راستوں سے گزرا کرتا ہے آباد لایا جاتا ہے جن سے بابا صاحبؒ کا جنازہ لے جایا گیا تھا۔ عرس میں ہزار ہا عقیدت مند اور زائرین بلا تفریق مذہب و ملت شریک ہوتے ہیں۔

تاج آباد جاتے سے پہلے زائرین شکر درہ حاضر ہوتے ہیں جہاں بابا صاحبؒ کی چڑگٹا مشہور ہے۔ شکر درہ میں حاضری کی وجہ بابا صاحبؒ کا وہاں سے گہرا تعلق اور ان کا ہمارا جو رگوجی داؤسے یفرمان ہے کہ میرا بستر ترے گھر سے لاکھوں برس نہیں اٹھ سکتا۔

۲۶۔ محرم کی شام شکر درہ میں بھی عرس منایا جاتا ہے۔ یہاں سے مندل شریف



روضہ مبارک

تاج آباد شریف ناگ پور (ناگ)



نکل کر راجہ صاحب کے محل میں جاتا ہے اور پھر واپس شکر درہ کی چلہ گاہ میں لے جایا جاتا ہے۔

قاضی امین الدین جو مہاراجہ رگوجی کے ہاں ملازمت کرتے تھے بیان کرتے ہیں کہ بابا صاحب کے دھان کے دسویں روز تاج آباد گیا اور مزار سے کچھ فاصلے پر کھڑے ہو کر بابا صاحب سے کہا: آپ شکر درہ سے تاج آباد آگئے۔ اس لئے بہت سے لوگ یہاں آکر رہنے لگے ہیں۔ میں آپ کے حکم سے مہاراجہ کے ہاں ملازم ہوا تھا، اگر اجازت دے تو میں بھی تاج آباد آجاؤں؟

ابھی میں غرض پیش کر رہا تھا کہ حضرت اشد کریم (بابا صاحب کے فیض یافتہ) میرے پاس آئے اور فرمایا: تجھے بنگلے میں رہ کر راجہ کو سلام کرنے کا حکم ہے۔ لال بنگلے سے یہی اشد کا پیارا اٹھا ہٹیں ہے؟

(لال بنگلے سے مراد شکر درہ کا وہ محل ہے جہاں بابا صاحب کا قیام تھا۔)

## فیض اور فیض یافتگان

بابا تاج الدین ناگپوری علوم و فیوض کا ایسا سمندر ہیں جس سے ہزاروں لاکھوں استراوا اپنے اپنے ظرف کے مطابق فیض یاب ہوئے۔ نہ صرف مسلمان بلکہ ہندو، پارسی، عیسائی، سکھ سب دربار تاج الاولیاء میں حاضر ہوتے اور ظاہری دہائی ہر قسم کے فیض و نعمت کے موتی چنتے۔ سالکین، متلاشیان حق اور طالبین سب کی ولی مراد بابا صاحب کی ایک نظر میں برائی۔ بابا صاحب کا ارشاد ہے، میں سوالاکھ ولی بناؤں گا۔ فیض کی یہ تقسیم اس وقت بھی جاری تھی جب آپ اس مادی دنیا میں جلوہ افروز تھے اور اب بھی جاری ہے جب آپ پس پردہ موجود ہیں۔ بابا صاحب کا یہ بھی فرمان ہے کہ آج تک کسی سے پانچ پیسے نہیں بنے، میں پانچ پیسے بناؤں گا۔ میرا نام تاج الدین ہے۔

بابا تاج الدین کے ہاں مروجہ طرزوں میں ہیبت و ارشاد کا طریقہ رائج نہ تھا۔ لوگ حاضر ہوتے اور بابا صاحب جس کے لئے جو ضروری سمجھتے اس کو تلقین کر دیتے کسی کو کم کھانے کا حکم دیتا تو کسی سے کہا جاتا کہ خوب کھاؤ۔ کسی کو خلوت نشین کر دیتے۔ اور کسی کو جلوت میں رہنے کے لئے ارشاد فرماتے۔ بابا صاحب کی روحانی توجہ اور نگہداشت میں جو مادیانہ و ہمدانہ شفقت و محبت کا عنصر موجود تھا اس کے پیش نظر بابا صاحب کے



فیض یافگان کو بابا صاحب کے بچے کہا جاتا تھا۔

بابا صاحب کے فیض یافگان کا تذکرہ بالواسطہ بابا صاحب کا تذکرہ ہے۔ ان تذکروں میں بابا صاحب موجود ہیں۔ ان کا مخصوص طرز تخاطب، طریقہ تعلیم اور تصرف موجود ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے متعلق بابا صاحب نے کچھ ایسے فقیرے ارشاد فرمائے جن سے ان کی روحانی قدر و منزلت کا اظہار یا بابا صاحب سے ان کے روحانی تعلق کا اشارہ ملتا ہے۔ فیض یافگان کی فہرست میں ان درویشوں کو بھی شامل کیا گیا ہے جو بابا صاحب کے دربار میں موجود رہتے تھے۔ کتنے ہی باسواد ایسے بھی ہیں جو عوام کے سامنے نہیں آئے اور خاموشی سے اپنا کام کر کے اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

قلمندربابا اولیاء کے ارشادات سے پتہ چلتا ہے کہ بابا نوح الدینؑ کے نائب حیات میں دو ہستیاں ایسی تھیں جنہیں بابا صاحب سے خصوصی روحانی نسبت حاصل ہوئی۔ ایک حضرت انسان علی شاہؒ اور دوسری مریم بی انانہؒ

## حضرت انسان علی شاہ

حضرت انسان علی شاہؒ بابا نوح الدینؑ کے فیض یافگان میں ممتاز حیثیت کے حامل تھے اور آپ کے سوچنے کی طرز میں بھی بابا صاحب سے ملتی تھیں۔ انسان علی شاہ کی عمر ایک ماہ تھی کہ والد کا انتقال ہو گیا۔ والد کے انتقال کے بعد آپ کی کفالت نانا اور نانی نے کی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے ایک رشتہ دار سے حاصل کی جو نہایت عالم و فاضل تھے۔ انسان علی شاہ کی طبیعت میں بچپن ہی سے عبادت اور ریاضت کا ذوق و شوق موجود تھا۔

انسان علی شاہ ایک صاحب حیثیت شخص تھے۔ آپ کئی گاؤں کے مال گزار تھے۔ بپاس نہایت نفیس اور قیمتی پہنتے اور اعلیٰ نسل کا گھوڑا سواری میں رہتا تھا۔ بھٹوں اور بلند حیثیت برسنے کے باوجود نہایت بااخلاق و منکسر المزاج رہتے۔ آپ نے اپنے گاؤں میں ایک مسجد بنوائی تھی اور اس کی امامت بھی خود کرتے تھے۔ مہمانوں اور مسافروں کی خاطر تواضع کر کے آپ کو بہت خوشی ہوتی تھی۔

ابھی انسان علی شاہ ۲۲ برس کے تھے کہ آپ کی طبیعت میں تیزی سے تغیر رونما ہوا اور جذبہ استغراق غالب ہو گیا۔ عالم جذب میں آپ لوگوں کو مارنے دوڑتے۔ دماغی مرہفیں سمجھ کر ان کا علاج کرایا گیا اور جب حالت نہیں سنبھلی تو سٹے پایا کہ ان کو بڑی گول کے مزارات پر لے جایا جائے۔ چار چھ آدمی انسان علی شاہ کو لے کر ہندوستان کی مشہور و بڑی گاہوں پر گئے۔ آپ جس مزار پر جاتے، اندر داخل ہوتے ہی باہر شش اور مودت ہو جاتے۔ فاتحہ پڑھ کر مزار سے باہر آتے ہی آپ کا ہوش



جذب میں تبدیل ہو جاتا۔ تمام مزاروں پر حاضر ہو کر جب انسان علی شاہ اپنے گھاؤں لٹا لائے گئے تو لوگوں نے باہم مشورہ کیا کہ اب کیا کیا جائے۔ اس زمانے میں بابا تاج الدین کا شہر ہر طرف پھیل رہا تھا۔ لوگوں نے کہا کہ اب تو بابا صاحب کا دربار ہی باقی بچا ہے، وہاں بھی کوشش کر کے دیکھ لینا چاہیے۔ چنانچہ وہ لوگ انسان علی شاہ کو ملے کر شکرورہ پہنچے۔ انسان علی شاہ کو جب بابا صاحب کی خدمت میں پیش کیا گیا تو بابا صاحب نے فرمایا۔

ارے، یہ تو بڑے صاحب ہیں۔ روشن چہرہ ہیں۔ میرے بعد کی پل کے بادشاہ ہوں گے۔ ان کی بیسٹریاں اور شکرٹریاں تو بڑو۔ اب ان سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچے گی۔

صاحب حکم بیسٹریاں اور شکرٹریاں کھول دی گئیں لیکن اب انسان علی شاہ پر جذب و تجردی کے بجائے سکون اور ہوش کا غلبہ تھا۔ کچھ عرصہ بابا تاج الدین کی خدمت میں رہنے کے بعد انسان علی شاہ اپنے وطن چلے گئے اور آپ سے کرامات ظاہر ہونے لگیں۔ انسان علی شاہ کے اندر بابا تاج الدین کی جھلک نمایاں تھی۔ انداز و اطوار میں بھی بابا صاحب سے مشابہت رکھتے تھے۔

قلندر بابا ابوبیار سے روایت ہے کہ جب انسان علی شاہ سے بابا تاج الدین نے پوچھا کہ اگر تم ناگ پور سے مدراس تک جھیک مانگتے جاؤ اور واپس آؤ تو میں تمہیں نبیت کروں گا۔ انسان علی شاہ جیسے صاحب ثروت اور فنی جاہ شخص نے بابا صاحب کے حکم پر پورا پورا عمل کیا اور بابا صاحب کے حق نبیت میں داخل ہوئے۔ بابا تاج الدین نے آپ کو انسان کا نام دیا۔

## ۱۵۵ مریم بی اماں

مریم بی اماں کی پیدائش ہندوستان کے قصبہ کاہلیو قلعہ قمر پور ضلع اکوٹہ میں ہوئی۔ ان کے تین بھائی اور ایک بہن تھیں۔ والد کا نام عزیز الدین اور والدہ کا نام عائشہ بی بی تھا۔ مریم بی نے قدرے قرآن کی تعلیم حاصل کی تھی۔ اور پس۔ لیکن ذوق عبادت و رباختہ شہد پیدا ہوا۔ ان کا انداز وقت خورد و خوراک و رفعت نشینی میں گزرتا تھا۔ شادی کے بعد گھر پر مصروفیات اور دستہ داریوں کے باوجود ان معمولات میں کوئی فرق نہیں پڑا۔

مریم بی کا خاندان ایک فقیر دوست خاندان تھا۔ درویشوں اور فقیریوں کی خدمت میں حاضر دینا، ان کی خدمت کرنا اس خاندان کے لوگوں کا شیوہ تھا۔ یہ ان دنوں کا ذکر ہے جب مریم بی کے بھائی غلام محمد الدین صاحب کامٹی میں ملازمت کر رہے تھے اور مریم بی بھی ان دنوں کامٹی میں ان کے ساتھ رہتی تھیں۔ جناب غلام محمد الدین صاحب کو پتہ چلا کہ کامٹی میں ایک صاحب کمال اور روشن ضمیر بزرگ دار ہوتے ہیں۔ ان بزرگ میں درویشی اور فقری کے اوصاف دیکھ کر ایک دن غلام محمد الدین صاحب نے بزرگ سے درخواست کی۔ حضرت! کیا ہی اچھا ہو اگر آپ ہمارے گھر میں چند دنوں ہمان رہ کر غریب خاندان کو روٹی بخشیں اور ہمیں اپنی خدمت کا موقع فراہم کریں۔ ہم اسے اپنی خوش بختی تصور کریں گے۔

بزرگ نے درخواست قبول کر لی۔ ایک دن جب گھر کے سب لوگ بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے مریم بی کی والدہ یعنی عائشہ بی بی سے مخاطب ہو کر کہا۔ بی بی! اللہ تعالیٰ نے تمہیں دو نسل عطا کئے ہیں۔ اور یہ ان میں سے ایک ہے، بزرگ



کا اشارہ مریم بی کی طرف تھا۔

ان بزرگ نے مریم بی کو مخاطب کیا۔ بیٹی! آفتاب ولایت ناگپور کے افق سے  
ضیا پاشی کر رہا ہے۔ جاؤ اور اپنے جسم اور روح کو اس سے منور کرو۔ ناگپور کا پاگل خانہ  
اس وقت شہنشاہ ہفتہ اقلیم بابا تاج الدین کا پایہ تخت ہے۔ ان کی خدمت میں جاؤ!  
شیت نے تمہاری قسمت میں حضور بابا صاحب کا فیض کھلے ہے۔

مریم بی فوراً ناگپور کے پاگل خانے میں نہ صرف رہیں جہاں ان دنوں بابا تاج الدین  
رہتے تھے۔ مریم بی جیسے ہی وہاں پہنچیں، بابا صاحب اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کے  
قریب آکر کہا: ہم تو ایک عرصہ سے تیرا انتظار کر رہے تھے!

یہ کہہ کر بابا صاحب نے مریم بی کے دونوں ہاتھوں کی چوڑیاں توڑ ڈالیں اور کہا۔  
”روزانہ آیا کرو!“

محترمہ مریم بی نے حضرت بابا صاحب کی ہدایت پر اس طرح عمل کیا کہ روزانہ  
پاگل خانے آئیں اور پچانک کے باہر ایک مخصوص جگہ پر کھڑے ہو کر بابا صاحب کی طرف  
متوجہ رہیں۔ رفتہ رفتہ اس غسل میں اتنی محویت اور استغراق پیدا ہوا کہ کھانے پینے اور  
پکسٹروں کا ہوش تک جانے لگا۔

ایک سال گزر گیا۔ اس دوران بابا تاج الدین پاگل خانے سے شکورہ اور پھر  
واکی تشریف لے گئے۔ مریم بی بھی واکی تشریف لے گئیں اور قصبہ پاٹن ساؤگی میں قیام  
کیا۔ یہاں بھی وہ ہر روز حضور بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتیں جو ان پر نہایت شفقت  
محبت کی نظر رکھتے تھے۔ یہ زمانہ بھی تقریباً ایک سال پر محیط ہے۔

ایک روز بابا تاج الدین مریم بی کو لے کر کہناں ندی کے اطراف میں پہنچے اور ایک

دوران اور بے آباد جگہ پر جنگلی جانوروں کی گزرگاہ بنی، وہاں پہنچ کر روک گئے اور مریم بی کو  
مکھ دیا۔ یہاں بیٹھ جا اور بلا اجازت نہ اٹھنا!

یہ سنتا تھا کہ دل میں کسی قسم کی جھجک، خوف یا ڈر لائے بغیر مریم صاحبہ وہاں بیٹھ  
گئیں اور سامان خور و نوش تک کے متعلق نہ سوچا۔ مریم صاحبہ کو وہاں چھوڑ کر بابا تاج الدین  
واپس چلے آئے۔

اس واقعہ کو ایک ہفتہ گزر گیا۔ بابا صاحب کے خدام اور عقیدت مند اس دوران  
سخت حیران و پریشان رہے کیوں کہ بابا صاحب نے ایک ہفتہ مطلق نہ کچھ کھایا نہ پیا۔  
ایک ہفتہ بعد بابا صاحب باہر تشریف لائے اور بلند آواز سے پکارنا شروع کیا۔ لہجن  
دا کوڑیا! لہجن دا کوڑیا!

مجمع میں سے ایک شخص فوراً ہاتھ باندھے سامنے آکھڑا ہوا۔ حضور بابا صاحب نے  
اس سے فرمایا: اماں مریم صاحبہ تیرے کیفیت کی طرف کی جنگلی میں موجود ہیں۔ توجہ اور انہیں  
کھانا کھلا اور خدمت کیا کرو!

دا کوڑیا نے فوراً کھانا تیار کر دیا اور ساتھ لے کر اماں مریم صاحبہ کی تلاش میں  
نکلا۔ کافی دیر تلاش کے بعد اس نے جھاڑیوں کے جھنڈ میں اماں صاحبہ کو چادر اوڑھے بیٹھ  
پایا۔ اس نے کئی آوازیں دیں لیکن اماں مریم صاحبہ کے جسم میں کوئی جنبش نہیں ہوئی اور  
وہ بدستور آنکھیں بند کئے چادر اوڑھے لیٹی رہیں۔

احسن میں دا کوڑیا نے کہا: میں بابا صاحب کے حکم پر آپ کے لئے کھانا لایا ہوں  
مریم اماں صاحبہ ایک چمکے سے اٹھ بیٹھیں، نہایت تعلیم سے کھانا لیا اور بڑی شکل  
سے تھوڑا سا کھایا۔





مریم بی امان صاحبہ کا منہ (تاکید)

لوگ کہتے ہیں کہ جس وقت واکوٹیا کھانا لے کر آتاں صاحبہ کی تلاش میں گیا ہے اس کے کافی دیر بعد بابا صاحب نے کھانا منگوایا اور ایک ہفتے کے بعد پہلا لقمہ منہ میں ڈالا۔  
مریم آتاں صاحبہ فرماتی تھیں کہ میری رسول کی ریاضت کو حضور نے اذراہ عنایت و شفقت دونوں میں مل کر پایا کیوں کہ میں عورت ذات اور وہی تپلی تھی، اس لئے حضور نے میرے حال پر خاص رحمت کی نظر رکھی۔ اور جلد ہی مجدد ہی بابر باب دلایت کھول دیا اور اپنی محبت میں رہنے کے لئے ارشاد فرمایا۔

مریم آتاں صاحبہ کے لئے ایک جگہ مقرر کر دی گئی اور وہاں شریف میں ایک چراغ سے دوسرا چراغ روشن ہو گیا۔ تاج الاولیاء بابا تاج الدین کے فیض کی تقسیم اب مریم آتاں صاحبہ کے ذریعے بھی ہونے لگی۔ بابا صاحب ہزاروں کی تعداد میں لوگوں کو آتاں صاحبہ کے پاس جانے کا حکم دیتے اور لوگ ان کے دربار سے باہر اٹھتے۔ حاضرین نے یہ بات محسوس کی کہ جو بات حضرت بابا تاج الدین اپنی نشست گاہ پر فرماتے، اس بات کا اظہار آتاں صاحبہ اپنی قیام گاہ پر کر دیتی تھیں۔

بابا تاج الدین مریم آتاں صاحبہ پر جو نظر عنایت رکھتے تھے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ بابا صاحب نے تنبیہ کر دی تھی کہ ان کے پاس حاضری دینے سے پہلے آتاں صاحبہ کی خدمت میں حاضری دی جائے۔ لوگوں نے اکثر دیکھا کہ درویش اور فقرا موجود رہا تاج الاولیاء میں بابا صاحب کے دیدار کے لئے حاضر ہوئے ان سے بابا صاحب اس وقت تک نہ ملے جب تک کہ انہوں نے مریم آتاں صاحبہ کے ہاں حاضری نہ دی۔ لوگوں نے یہ بات بھی شاید وہی کہ بابا صاحب نے مریم آتاں صاحبہ کی کسی بات کو نہ انہیں فرماتے تھے۔ بابا صاحب آتاں صاحبہ کو احسرا مانا اپنی والدہ کے نام پر مریم بی



کہہ کر پکارتے تھے اور فرمایا کہ وہ تو میری ماں ہے۔ زماڑ ریاضت میں بابا صاحبؒ نے  
اتنا صاحب کا نام بھائی جمدار جیسم رکھا تھا اور بعد میں گاہے بگاہے اسی نام سے  
آواز دیتے تھے۔

جب بابا تاج الدینؒ کو اکیسے شکر درہ منتقل ہوئے تو مریم ماں صاحبہ بھی شکر درہ  
تشریف لے گئیں۔ یوں لگتا ہے کہ اس زمانے میں آپ کو جسم خاکی ایک بوجھ معلوم ہونے  
لگا۔ ابھی شکر درہ میں آئے ہوئے زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ آپ نے پیر بن خاکی  
آنا دھینکا اور اس مادی دنیا سے پردہ فرمایا۔ یہ مورخہ ۲۷۰۰ شمسی ۱۱۷۷ھ کا دن تھا۔ بابا  
تاج الدینؒ کے حکم پر آپ کا جنازہ شکر درہ سے کاسٹی لایا گیا اور گاڑھا گاٹ پر آپ کو  
سپردہ خاک کر دیا گیا۔

## بابا قادر اولیاء

بابا قادر کا تعلق ترجٹ پٹلی کے نواب خاندان سے تھا جس میں بعض دولٹ  
بھی گزرے ہیں۔ نواب محمد علی آپ کے والد تھے۔ ۱۳۲۰ھ میں ترجٹ پٹلی کے مقام پر بابا  
قادر کی پیدائش ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کے لئے اسکول میں داخل کئے گئے لیکن تعلیم میں دلچسپی  
ظاہر نہیں کی۔ البتہ اولیاء اشد اور پیغمبروں کے قبیلے بہت غور سے سنتے تھے۔ عمر بڑھنے  
کے ساتھ ساتھ آپ کی تنہائی پسندی اور محبت میں اضافہ ہوتا گیا۔ نوجوانی میں بڑے حسین  
کپڑوں میں ملازم ہو گئے۔ ان ہی دنوں بابا قادر کے والد کا آخری وقت آپہنچا۔ والد نے بابا  
کو اس پر بٹھا کر کہا: بیٹے! تمہارے خاندان میں فقیرانہ رنگ بکری پایا جاتا ہے۔  
میرے نصیب میں تو نہیں تھا لیکن تم بابا تاج الدینؒ اولیاء کے معزز ناگوار معزز حاضری

والد کی وصیت کے مطابق شکر درہ بابا تاج الدینؒ کے پاس پہنچے۔ بابا صاحبؒ  
نے دیکھتے ہی کہا: شیر کا بچہ شیر ہے۔

یہ کہہ کر پاس رکھے ہوئے چند کیلوں میں سے ایک کیلا اٹھا کر بابا قادر کے ہاتھ میں  
تھا دیا۔ کیلا ذرا کھلا ہوا تھا۔ نفاست پسند ہونے کی وجہ سے بابا قادر کی طبیعت نے گوارا  
نہ کیا کہ کیلا کھائیں۔ انہوں نے آہستہ سے ہاتھ پشت کی طرف کر لیا۔

بابا تاج الدینؒ نے فرمایا: کھاؤ یاد کھاؤ، تمہیں جو کچھ پہنچا تھا، پہنچ گیا۔  
بابا تاج الدینؒ کے لئے کھانا اور چائے محمد غوث بابا کی جمعوت پڑی سے جاتا تھا۔  
لنگر خانے کے ستم حیات خاں تھے جو بابا صاحب کو کھانا اور چائے پہنچاتے تھے۔ ان  
کو اپنی اس خدمت گزاری پر بڑا ناز تھا۔ انہوں نے ایک دن بابا قادر کو کھانڈی تھپتھپاتے ہوئے  
کہا: صاحب زادے! یہاں مفت کا کھانا نہیں ملتا۔ کچھ نہ کچھ کرنا پڑتا ہے۔ تم لنگر خانے  
کے لئے لنگریاں پھاڑا کرو۔

بابا قادر کھانڈی لے کر لنگریاں پھاڑنے لگے۔ بڑے ناز و نعم میں پلے تھے اور کبھی  
ایسا سخت کام نہیں کیا تھا۔ بیشکل آدھ گھنٹہ کام کیا ہو گا کہ ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے چٹا پٹ  
کھانڈی رکھ کر بیٹھ گئے۔

ادھر حیات خاں کھانا لے کر بابا تاج الدینؒ کے پاس پہنچے تو بابا صاحبؒ نے  
لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلا کر دکھاتے ہوئے کہا: دیکھو جی! یہ حیات خاں ہم سے لنگریاں  
پھاڑتا ہے۔ یہ دیکھو، ہمارے ہاتھ کے چھالے۔

لوگوں نے دیکھا کہ بابا تاج الدینؒ کے ہاتھوں پر چھالے پڑے ہوئے تھے۔  
بابا تاج الدینؒ اولیاء اشاروں میں مشکو فرماتے تھے۔ عالم جذب و کیفیت میں



بولنے تو اہل نظر ہی ان اشاروں کنایوں کو سمجھنے جو گفتگو میں پوشیدہ ہوتے تھے۔ بابا قادر کو دربار تاج المادیا میں رہتے ہوئے زیادہ دن نہیں ہوئے لیکن اس عمر میں آپ بابا صاحب کے مزاج اور افتاد طبع کو سمجھنے لگے تھے۔

ایک بار وارڈی سیٹھ اور اس کی بیوی اپنے اکلوتے بچے کو لے کر بابا تاج الدین کے پاس گئے۔ بچہ دن رات روتا رہتا تھا۔ اور ہر طرح کا علاج بے سود ثابت ہوا تھا۔ بابا صاحب کے سامنے بچہ پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا: چولہے میں ڈال دے۔

میاں بیوی اس عجیب و غریب مجھے سے مایوس اور مضموم و پس ہوئے۔ راستے میں بابا قادر سٹ۔ انہیں جب — بتایا گیا تو ہنس کر کہا: اس کا مطلب یہ ہے کہ بچے کو تھک گئی ہے۔ کچھ مرچیں وار کر چولہے میں ڈال دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور بچے کو آرام آیا۔

بابا تاج الدین کی خدمت میں چند سال رہنے کے بعد بابا قادر مجھے نگر موٹ آئے لیکن اب ان کی حالت بدل چکی تھی۔ اب آپ ایک جھونپڑی ڈال کر رہنے لگے۔ بہت کم بولتے تھے۔ زیادہ وقت اکڑوں بیٹھ کر ستر گھنٹوں میں وہ بے رکعت تھے۔ یہی انداز نشست بابا تاج الدین کا تھا۔ غذا بھی بہت کم ہو گئی تھی۔ پھر بابا قادر نے وجہی گرم کے باہر خیل میں ڈیرا ڈال لیا۔ یہ ایک ویران جگہ تھی جہاں لوگ دن کو بھی جاتے ہوئے ڈرتے تھے۔ یہی وہ زمانہ تھا جب آپ پر فقیری کا رنگ تیزی سے چڑھنا شروع ہوا۔ جو کہہ دیتے پورا ہو جاتا۔

پہلے پہل تو بابا قادر خیل میں کھلی چٹان پر بیٹھا کرتے تھے لیکن بعد میں دونوں نے پتھر میں سوراخ کر کے تار پان کی ایک چھتری نصب کر دی۔ ۱۹۲۵ء میں چٹان پر چار

کعبوں کے اوپر گنبد نما چھت ڈال کر پتھروں کی دیواریں کھڑی کر دی گئیں۔ ۱۹۳۱ء سے بابا صاحب نے اس حجرے میں مستقل رہنا شروع کر دیا۔ رفتہ رفتہ حجرے کے اس پاس دوسری تعمیرات نمودار ہوئے لگیں۔ حجرے کے ساتھ ایک محفل خانہ تعمیر کر دیا گیا۔ لوگوں نے چاہا کہ محفل خانے کو بچا تعمیر کر دیا جائے لیکن بابا قادر نے اجازت نہ دی۔ محفل خانے کا فرش بھی ریت کا تھا۔

بابا قادر کی شخصیت نے اس دیران جگہ کو جہاں لوگ دن کے وقت جاتے ہوئے ڈرتے تھے، ایک بارونق جگہ میں بدل دیا۔ ایک چھوٹی سی بستی وہاں وجود میں آگئی۔ جس کا نام قلات نگر رکھا گیا۔

مشکلات اور پریشانیوں میں گرفتار لوگ قلات نگر پہنچ کر درختوں کے نیچے انتظار کرتے کہ بابا قادر آئیں اور ان کی پتائیں۔ بابا قادر محفل خانے کے چوترے کے کنارے سے ایک ستون سے ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے۔ بائیں طرف منہ ہوئے کھڑے جس لوگ ایک ایک کر کے آتے۔ بابا قادر ہر ایک کے مسئلے کو نہایت قویہ، محبت اور شفقت کے ساتھ سنتے۔ ڈھارس بندھاتے، اطمینان دلاتے اور جس طرح مناسب سمجھتے مدد فرماتے۔ روزانہ یہی معمول رہتا۔ اور جب تک ایک ایک شخص کی بات نہ سن لیتے اپنی جگہ سے نہ ہٹتے۔ دیکھنے والا معروفت دیکھ کر تھک جاتا لیکن بابا قادر کے سامنے ہر شخص تھک نہیں آتا۔

بابا قادر کا پسندیدہ ترین عمل غریبوں اور بھوکوں کو کھانا کھلانا تھا۔ آپ کھانا کھلا کر بے مدغوش ہوتے تھے اور آپ کے چہرے پر اطمینان دوڑ جاتا تھا۔ عین قندار و ممتول حضرات کسی مستقل ذریعے سے پیسہ دینا چاہتے تو بابا قادر کہتے: جو آج کا اندھے دی کی کا بھی اندھ ہے۔ اگر تم خرچ کرنا چاہتے ہو تو غریبوں کو کھانا کھلاؤ اور ان کی اسدا کرو۔ جو



لوگ آپ سے تعلق رکھتے تھے ان سے فرماتے رزقِ حلال کے لئے سعی اور کوشش کرو۔  
لیکن توکل کو ہاتھ سے نہ چھوڑو اور امید و بیم سے ماورا ہو جاؤ۔

۱۹۵۹ء میں بابا قادر ناگپور گئے اور بابا تاج الدین کے مزار پر حاضری دی۔ مزار  
پر شمس پڑھا۔

جنت کا در کھلا ہے ترے در کے سامنے

یہ شک خدا کا گھر ہے ترے گھر کے سامنے

آپ نے اس جگہ کی بھی زیارت کی جہاں بابا تاج الدین بیٹھا کرتے تھے۔ اس جگہ کو بھی  
دیکھا جہاں بابا تاج الدین رہتے تھے اور بابا تاج الدین کے پٹنگ اور چوڑے کو لوسہ  
دیا۔ ناگ پور سے واپسی پر آپ نے اس بات کی طرف اپنی اشارے کئے کہ ان کا  
وقتِ رخصت قریب ہے۔ دن بدن آپ کی طبیعت میں اضمحلال پیدا ہوتا گیا اور بالآخر  
۲۷ جنوری ۱۹۶۱ء کو آپ نے اس دنیا سے پردہ فرمایا۔

## حضرت مولانا محمد یوسف شاہ

آپ کا اصل نام مولانا عبد الکریم تھا اور علاقہ جے پور سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ  
ایک فاضل عالم تھے اور صوفی عبد الحکیم شاہ سے بیعت تھے۔ صوفی عبد الحکیم شاہ نے  
آپ کو حکم دیا کہ تم واک جا کر بابا تاج الدین کی خدمت میں حاضری دو۔ مولانا عبد الکریم مرشد  
کے حکم کے مطابق بابا صاحب کے پاس پہنچے تو ان کی مجذوبانہ حالت دیکھ کر مایوسی پیدا  
ہوئی اور خیال کیا کہ جو شخص خود نیم بے ہوش و کھائی دیتا ہے وہ میری کیا تربیت کرے گا۔  
نہ جانے کیوں میرے مرشد نے مجھے ایسے شخص کے پاس بھیج دیا ہے۔ مولانا ابھی اسی لمحہ اور

مایوسی میں گرفتار تھے کہ بابا تاج الدین نے سر اٹھا کر آنکھیں کھولیں اور لمحہ بھر کے لئے مولانا کی  
طرف دیکھا۔ مولانا کے ہوش و حواس جاتے رہے اور عالمانہ لباس اتار چھینا۔

کئی دن تک مولانا عبد الکریم پرستی و بے غروی طاری رہی۔ ایک دن بابا صاحب  
نے بلا کر حکم دیا کہ کاٹھا دار جاؤ۔ حکم ملنے ہی مولانا کاٹھا دار پہنچے اور وہاں رشد و ہدایت کا  
فریضہ انجام دیتے رہے۔ کاٹھا دار سے واپس بابا صاحب کی خدمت میں پہنچے تو بابا صاحب  
نے اپنی نعلین (جوتیاں) دیتے ہوئے کہا: اور ان کو پھیلاؤ۔ پھر مولانا کو یوپی جانے کا  
اشارہ ہوا۔ یوپی میں مولانا عبد الکریم نے بابا صاحب کے سلسلے کو بہت وسعت دی اور  
بڑے بڑے علماء اور مقتدر افسر اور بابا صاحب کے حلقہ عقیدت میں داخل ہوئے۔ ان  
میں نواب چتاری، سابق صدر اعظم حیدر آباد، وکن اور نواب سیح خاں طالب نگری بھی  
شامل تھے۔ آپ یکم ذی الحجہ ۱۳۸۰ھ کو اس دنیا سے پردہ فرما گئے۔

## خواجہ علی امیر الدین

آپ کی ولادت ایک پنجاب سے کے گھر میں ہوئی۔ جائے پیدائش مقام ہینگن ضلع  
ناگ پور تھا۔ آپ پیدائشی طور پر خسیہ معوی صفات کے حامل تھے۔ چھ برس کی عمر ہوئی لیکن  
بہ کسی سے بات چیت کرتے اور نہ کھانے پینے کی آپ کو کوئی پروا تھی۔ والدین پریشان ہو کر  
آپ کو واک کی شرکت میں بابا تاج الدین کے پاس لائے۔ بابا صاحب نے فرمایا۔  
"ان کو مست ستیا کرو۔ یہ بڑی شان والے ہیں۔ تم نہیں جانتے کہ ان کا نام خواجہ  
علی امیر الدین ہے۔"



اب لوگ آپ کو خواجہ علی امیر الدین کہنے لگے اور شخص آپ کا احترام کرنے لگا۔ چند دنوں بعد خواجہ صاحب کے والدین تو گھر واپس چلے گئے لیکن خواجہ صاحب اور اُنکے دادا بابا صاحب کے پاس واک میں ٹھہر گئے۔ ان دنوں خواجہ صاحب کا یہ حال تھا کہ کبھی راتوں کو جنگل کی طرف نکل جاتے اور صبح واپس آتے تو ایک دو سانپ گلے میں ہار کی طرح لٹک رہے ہوتے۔ سانپ کی موجودگی سے ان کے دادا اور دوسرے لوگ ڈرتے۔ یہ طرز عمل بہت دن جاری رہا۔ لیکن سانپ نے کسی کو نہیں کاٹا۔ خواجہ صاحب کے دادا ناراض ہوتے کہ اگر کسی کو سانپ نے کاٹ لیا تو کیا ہوگا؟ یہ سنکر خواجہ صاحب ہنسنے لگے سے اتار کر زمین پر رکھ دیتے۔ اور اشارے سے بھاگ دیتے۔

جب بابا تاج الدین ندی کی طرف باجنگل کے اندر گھومنے جاتے تو لوگ آپ کے ساتھ ہوتے۔ خواجہ علی امیر الدین کے دادا بھی خواجہ صاحب کو کندھے پر اٹھائے ساتھ ساتھ چلا کرتے تھے۔ مشہور ہو گیا تھا کہ خواجہ صاحب جس شخص کے کندھے پر سوار ہو جاتے ہیں اُس کی بولی مراد ضرور پوری ہوتی ہے۔ چنانچہ لوگ آپ کو خوشی اپنے کندھے پر اٹھائے گھومتے جب بابا تاج الدین واک سے شکرورہ گئے تو راجہ رگورائے خواجہ صاحب کے رہنے کا بھی انتظام کر دیا۔ شکرورہ میں قیام کے دوران خواجہ صاحب اکثر جلال میں رہتے تھے۔ اور کبھی کبھی تو قیام میں کچھ کہہ بھی دیتے۔

ایک دن خواجہ علی امیر الدین حالت جذب و جلال میں حضرت بابا تاج الدین کی خدمت میں آئے اور قیام میں کہا۔

”محل تو اُلت دوں؟“ (محل کو اُلت دوں)

خواجہ صاحب نے دوبارہ مجھ ادا کیا۔ بابا تاج الدین اپنی جگہ سے اٹھ کر من کے

پاس گئے اور انگشت شہادت سے من باران کے منہ کو مارتے ہوئے کہا۔

”حضرت! یہ دُعا کا دربار ہے۔“

یہ سن کر خواجہ صاحب شانے میں آگئے اور گہرا کر اپنی قیام گاہ کی طرف بھاگے۔ اُس دن کے بعد سے آپ کا جلال جمال میں بدل گیا۔ لیکن اس کے بعد بھی خواجہ صاحب پر بابا صاحب کا اس قدر رعب اور خوف طاری رہا کہ پوری زندگی بابا صاحب کے قریب نہیں گئے۔ دُور ہی سے سلام و نیاز پیش کرتے تھے۔

خواجہ علی امیر الدین کی شخصیت بابا صاحب کے فیض یافتگان میں ایک منفرد مقام کی حامل بھی جاتی تھی۔ آپ ایک حلیل القدر ولی اللہ تھے اور بہت سی کتابیں آپ سے منسوب ہیں۔ آپ کے وصال کا حال عجیبی واسلے بابا کے تذکرے میں آئے گا۔

## حضرت قادری الدین

آپ کی معرفت بمبئی واسلے بابا سقا اور بابا تاج الدین آپ کو مستان بابا کہتے تھے۔ بمبئی واسلے بابا شکرورہ میں بابا تاج الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ خواجہ سلی امیر الدین کے ہم صفت تھے اور قیام میں بات کرتے تھے۔ عالم جذب میں اپنے کپڑے پھاڑ کر پھینک دیتے تھے۔ بابا تاج الدین نے کئی بار اپنا کٹنا اتار کر دکھایا۔ آپ اُس کو پہن لیتے لیکن بکا بک جوش میں آکر پھاڑ دیتے۔ مستان بابا، بابا صاحب سے دُور دُور رہتے تھے۔ لیکن ان کی محضر و باز حالت دیکھ کر بابا تاج الدین کے حضور ان کو لے جایا گیا۔ بابا صاحب آرام فرما رہے تھے۔ اٹھ بیٹھے اور کہا۔

”حضرت و محبوب میں نہیں رہتے، ہم بھی چھاؤں میں رہتے ہیں، تم بھی چھاؤں میں ہا



کروٹ یہ کہہ کر بابا صاحب نے اپنا جتہ ان کو عطا کرتے ہوئے کہا: جتہ پہنا کرو! اس دن سے آپ نے جتہ پہنا لیا نہیں۔

ایک دفعہ حضرت قادری الدین بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بابا صاحب نے انہیں آتے دیکھا تو ماضی سے مخاطب ہوئے۔

"دیکھو حضرت! یہ مسرت آرہے ہیں۔ تم لوگوں نے مسرت کا نام سنا ہے نا۔ ان کا نام قادری الدین ہے۔ یہ مسرت ہیں۔ ان سے ڈرا کرو کہ ہم ڈرتے ہیں۔ یہ کالے ناگ ہیں۔ دیکھو ان کے سر کوٹ۔"

لوگوں نے دیکھا کہ جب ان کے سر کے بال صاف کئے جاتے تو ایک سانپ جیسا نشان نظر آتا جس میں سانپ کا پن پشانی کی طرف ہوتا۔ آپ کی پشانی پر چاند کا نشان تھا جس میں سانپ کا پن رکھا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ آپ اس قدر پرکشش اور وجیہ تھے کہ لوگ آپ کو دیکھنے کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔

آخری زمانے میں مستان بابا صاحب پر ہمہ وقت استغراق کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ جب کبھی ہوش میں آتے تو اشاروں سے اس بات کو ظاہر کرتے کہ ان کا آخری وقت قریب ہے۔ وصال سے چند ماہ پہلے سے جو قول آپ کے پاس آتا، آپ اس سے کہتے: "گاؤ، سبیاں، گوبڑی، بلی، سفر، کسی خوش ہو کر آپ بھی گانے لگتے۔ وصال سے چند دن پہلے جسم پر کچکا پٹ کی طاری ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر معائنہ کرتا لیکن کوئی مرض سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ ڈاکٹر کے جانے کے بعد انہیں کھلی کر کہتے: "لاؤ میری دوا! وصال سے ایک روز پہلے کہا: "ہم کو تھلاؤ، وصلو اور دوہنا بناؤ۔ چنانچہ آپ کو غسل دے کر نئے کپڑے پہنا دیئے گئے۔ پھر آپ نے دسی طلب کی اور ایک سر حضرت فرید الدین کو

رہتے ہوئے کہا: "دور جا۔ جہاں تک رتی جا سکتی حق ملے جاتی گئی۔ مستان بابا نے کہا: "ڈیڈ (دیکھ) یہ میری درگاہ ہے۔ وصال کے دن بار بار کہتے: "چار بج گیا، ہماری دوا لاؤ۔"

آپ کی یہ حالت دیکھ کر لوگ ملاقات اور سلام کے لئے حاضر ہونے لگے۔ آپ ہر ایک کو دعا دیتے اور کہتے: "چار بجے آؤ۔ جسے کا دن تھا۔ جیسے جیسے چار بجے کا وقت قریب آ رہا تھا، آپ کے بے قراری بڑھتی جا رہی تھی۔ بار بار کہتے: "ہماری دوا لاؤ، ہماری دوا لاؤ۔" بے تابی دیکھ کر شربت بنا کر پیش کیا گیا۔ آپ اشد اکبر کہہ کر اٹھ بیٹھے اور کھڑے بدل کر مرنے ایک کبل آدھے جسم پر لیٹ گیا۔ شربت کا گلاس لے کر اشد اکبر کہہ کر اور پی لیا۔ پھر اشد اکبر کہہ کر لیٹ گئے اور اشد اکبر کے ساتھ ہی روح نے جسم کو چھوڑ دیا۔ تاریخ وصال: مفسر المظفر سلسلہ مدنی۔

جس دن مستان بابا صاحب اس دنیا سے رخصت ہونے والے تھے، صبح حضرت خواجہ علی امیر الدین مزاح پرسی کے لئے تشریف لائے۔ آدھ گھنٹے تک دونوں میں راز و نیاز کی باتیں ہوتی رہیں۔ اٹھتے وقت خواجہ صاحب نے باواز بلندستان بابا سے کہا کہ آج آپ تشریف لے جا رہے ہیں اور میں آپ کے ایک دن بعد آ جاؤں گا۔ ایک سال بعد ۲۶ ربیع الثانی کی صبح سے خواجہ صاحب نے بار بار یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہم بابا صاحب دہا تاج الدین کی مجلس میں جا رہے ہیں، اب واپس نہ آئیں گے۔ جو بھی آپ سے ملنے آتا، آپ ہی کہتے۔ شام کو جب آپ کو نواح آباد لے جانے کی تیاری ہو رہی تھی کہ یکایک پورے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ لوگ دوڑ کر کمرے میں پہنچے تو دیکھا کہ ہلنگ پر مجسودہ کی حالت میں پڑے ہیں اور روح پرواز کر چکی ہے۔



## مہاراجہ رگھو جی راؤ

حکمران مرہٹہ خاندان کے چہم و چراغ تھے۔ آپ مہاراجہ جانوجی راؤ کے دلی بہد تھے جن کی حکومت شہر قانربا در و صاندی سے مہاندی بنگال تک اور شہلا جنوبا گوداوری ندی کے قرب و جوار سے نربداندی تک پھیلی ہوئی تھی۔ مہاراجہ جانوجی راؤ کو حکومت برطانیہ سے پرنسپل پنشن ملتی تھی۔ پرنسپل پنشن کے علاوہ بہت سے گاؤں بھی اس خاندان کی ملکیت تھے۔

راجہ رگھو جی کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آپ بابا تاج الدین کو پاگل خانے سے ضمانت پر رہا کر کے اپنے محل لے گئے۔ اس کا حال ابتدا میں درج کیا جا چکا ہے۔ شکر درہ محل میں راجہ رگھو جی نے بابا صاحب کو ہر طرح کا آرام و آسائش بہم پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ کی۔ راجہ صاحب نے جس طرح بابا صاحب کی خدمت کی وہ ایک مثال ہے۔ انہوں نے اپنا محل اپنے خدام، اپنا سب کچھ بابا صاحب کے لئے وقف کر دیا تھا۔

راجہ صاحب بابا جی کو ایک دیوتا کا درجہ دیتے تھے اور ان کے سامنے کوئی عرض پیش کرتے تو اس طرح جیسے ایک دیوتا کے آگے پیش کرتے ہیں۔ ایک دفعہ بابا صاحب نے راجہ کے مندر کا بت توڑ ڈالا۔ پجاریوں نے شور مچا دیا۔ راجہ صاحب سے شکایت کی گئی تو انہوں نے مسکرا کر صرف اتنا کہا: بابا صاحب بھی دہرتا ہیں۔ یہ معاملہ دیوتاؤں کا ہے۔ آپس میں خود منٹ لیں گے۔ ہمارا اتہار ادا ہوتا ہے ادبی ہے۔

خود بابا تاج الدین گوراجہ صاحب سے جو تعلق تھا اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ راجہ صاحب کو اپنا بڑا بھائی کہہ کر پکارتے تھے۔ پاگل خانے

سے نکلے کے بعد بابا صاحب کچھ دن شکر درہ میں راجہ صاحب کے پاس رہے۔ پھر واکا تشریف لے گئے۔ واکا میں کچھ عرصہ گزارنے کے بعد بابا صاحب دوبارہ شکر درہ چلے گئے۔ یہ شاید راجہ صاحب کا خلوص اور ان کی محبت تھی جن کی پذیرائی میں بابا صاحب نے دوبارہ شکر درہ کو اپنا مسکن بنایا۔

بابا صاحب کی ذات استغنا کی مکمل تصویر تھی۔ بابا صاحب ہر علاقے سے آزاد سر بہمنہ اور پار بہمنہ گھومتے اور لوگوں کی داد دے فرماتے۔ اگرچہ بڑے امرا اور رؤسا آپ کی خدمت میں نیاز سندانہ حاضر ہوتے اور چاہتے کہ بابا صاحب ان کی نذر یا با خدمت کو قبول کر لیں۔ لیکن بابا صاحب نے کبھی ایسا نہیں کیا۔ ایک بار نظام دکن نے کچھ زمین بابا صاحب کو بخش کر فی جاہی تو آپ نے ملکیت کے کاغذات پھاڑ ڈالے۔ بابا صاحب کے اس طرز عمل کو سامنے رکھ کر جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بابا صاحب نے مہاراجہ رگھو جی جیسے راجہ کی خدمت قبول کی تو اس سے راجہ صاحب کی شخصیت کو ایک ممتاز حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ آخری زمانے میں جب کچھ لوگوں نے اس بات کی کوشش کی کہ بابا صاحب شکر درہ چھوڑ کر کہیں اور منتقل ہو جائیں تو راجہ صاحب یہ سن کر آزرده خاطر ہو گئے لیکن بابا صاحب نے آپ کو اطمینان دلاتے ہوئے فرمایا۔

”بیرے گھر سے میرا بستر لاکھوں برس نہیں اٹھ سکتا۔“

شکر درہ محل میں بابا صاحب کا رہائشی کردہ، پلنگ اور دیگر چیزیں ایک یادگار کی طرح محفوظ ہیں اور زائرین لازماً شکر درہ محل میں حاضری دیتے ہیں جو بابا صاحب کی جگہ گاہ کی حیثیت سے مشہور ہے۔



## حضرت فتح محمد شاہ

جب بابا تاج الدین اولیاءؒ پاگل خانے سے شکردہ راجہ رگھوجی راؤ کے پاس جانے لگے تو فرمایا: یہ جگہ خالی نہ رہے گی: بابا صاحب کا یہ فرمان حضرت فتح محمد شاہ صاحب کے ذریعے پورا ہوا۔

فتح محمد شاہ صاحب افغانستان سے آکر ضلع دار وحا کے ایوت محل میں مقیم تھے اور وہاں ایک مسجد میں جا کر عبادت و ریاضت کیا کرتے تھے۔ ابھی یہ معمول طاری تھا کہ اُن پر جذب کی کیفیت طاری ہو گئی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ جذب کی کیفیت سے پہلے بھی بابا صاحب کی خدمت میں پاگل خانے آتے تھے اور بابا صاحب کے حکم سے دار وحا تشریف لے گئے تھے۔ جب حضرت فتح محمد شاہ صاحب پر جذب کی کیفیت روز افزوں ہونے لگی تو لوگوں نے آپ کو پاگل سمجھ کر ناگ پور کے پاگل خانے میں داخل کر دیا۔ جس دن آپ کو پاگل خانے میں داخل کیا گیا اسی دن بابا تاج الدینؒ پاگل خانے سے شکردہ تشریف لے گئے۔

ابھی حضرت فتح محمد شاہ صاحب کو پاگل خانے میں دار وحا ہونے کچھ ہی عرصہ ہوا تھا کہ آپ کی شہرت ایک پہنچے ہوئے شخص کی حیثیت سے ہونے لگی۔ بابا تاج الدین کے وصال کے بعد مہاراجہ رگھوجی پاگل خانے گئے تاکہ حضرت فتح محمد شاہ صاحب کی منہات پر رہا کر شکردہ لائیں۔ جب راجہ صاحب نے فتح محمد شاہ صاحب سے یہ بات کہی تو انہوں نے جواب دیا: وہ جگہ تو سر کے بل چلنے کے لیے ہے اور تو مجھے آج ہی وہاں لے جانا چاہتا ہے۔ چنانچہ آپ سر بھر پاگل خانے میں رہے۔ وصال کے بعد آپ کا

جنازہ تاج آہوا لایا گیا تو آپ کی یہ بات سمجھ میں آئی کہ وہ جگہ تو سر کے بل چلنے کے لیے ہے اور تو مجھے "آج ہی" وہاں لے جانا چاہتا ہے یعنی جیتے ہی میں اس جگہ جانے کے قابل نہیں ہوں۔

## حضرت کملی والے شاہ

بابا تاج الدینؒ نے آپ کو گورشاہ کا خطاب دیا تھا۔ عالم فاضل اور عبادت گزار تھے۔ جب بابا صاحب کی خدمت میں شکردہ آئے تو ایک جھوپڑے میں عزلت نشینی اختیار کر لی۔ کسی کو جھوپڑے کے اندر جانے کی اجازت نہ تھی۔ لوگ آپ کی غذا جو دال کا پانی ہوتی تھی اور چائے اندر سر کا دیتے تھے۔ ایک دن بابا تاج الدین ان کے جھوپڑے کے پاس سے گزرے اور کہا: دروازہ کھول دو۔ جب دروازہ کھول دیا گیا تو کملی والے شاہ صاحب نے سراج کی خواہش ظاہر کی چنانچہ ایک غزل شروع کی گئی اور آپ خوش و خرم اور مسرور بیٹھے سنتے رہے۔ دوران غزل یہ مصرعہ آیا:

ادھر خیال چلا اور اُدھر چلی بسی

یہ سنتے ہی آپ نے ایک نعرہ بلند کیا اور لیٹ گئے۔ جب دوسری بار یہ مصرعہ پڑھا گیا تو آپ کی روح پرواز کر گئی۔ شکردہ کے نالاب کے کنارے دفن کئے گئے۔

## حضرت رسول بابا

بابا تاج الدینؒ کی خدمت میں ایک صاحب اکثر حاضر ہوتے جو ذات کے



کوٹھی (بنیا) تھے۔ ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی۔ اس لئے اکثر دعا کی درخواست کرتے۔ کئی دفعہ عرض کرنے کے بعد بابا صاحب نے فرمایا: پہلا بچہ ہمارا ہوگا۔ جب لے آئے۔

نوماہ بعد وہ صاحب ایک لڑکے کے باپ بن گئے۔ حسب وعدہ انہوں نے فوزا یدہ کو بابا صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ بابا صاحب نے بچے کا نام "رسول" رکھا اور پرورش کے لئے اپنے ماموں عبدالرحمن صاحب کے حوالے کر دیا۔ رسول بابا پیدائشی مجذوب صفت تھے۔ بابا صاحب کے پاس آتے تو آپ کے گرد پروانے کی طرح چکر لگاتے۔ اکثر آپ متانہ انداز میں "یا تراب" "یا تراب" کا نعرہ لگاتے۔

بابا تاج الدین کے دربار سے آپ کو یہ خدمت سپرد ہوئی تھی کہ جو بھی آئینہ دیدہ و باریتاج الاولیاء میں آتا اور جہاں بھی ٹھہرتا، آپ اسی وقت وہاں پہنچ جاتے اور اس کو نمیک کر دیتے۔ بابا تاج الدین کے وصال کے بعد آپ کا وصال ۸ سال کی عمر میں ہوا اور بابا صاحب کے مزار کے قریب مدفون ہیں۔

## حضرت مسکین شاہ

آپ کا اصل نام غلام مصطفیٰ تھا اور آپ شطاریہ اور قادریہ سلسلے سے نسبت رکھتے تھے۔ آپ کے پیر و مرشد نے بابا تاج الدین کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا حکم دیا تھا۔ بابا تاج الدین کے حکم کے مطابق آپ ناگپور پولیس لائن ناکلی کی مسجد میں پیش امام ہو گئے اور بابا صاحب کی نسبت سے فیض یاب ہوتے رہے۔ حضرت مسکین شاہ کی

طبیعت میں بجز دانکس روٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ کچھ عرصہ بعد بابا صاحب نے ان کو سکندر آباد، بلند شہر روانہ کر دیا۔ اور آپ نے وہاں رشد و ہدایت اور خدمت خلق کا مشن جاری کیا۔

## حضرت الشکریم

شکرورہ کے رہنے والے دیکھتے تھے کہ شکرورہ کے صدر دروازے پر ایک شخص ٹن کا ڈبہ اور ایک رکابی ہاتھوں میں لئے کھڑا رہتا ہے اور وقفے وقفے سے صدا لگاتا ہے:

"الشکریم آیا ہے، باہی کھانا لگتا ہے"

جب کوئی کھانا پیش کرتا تو وہ شخص رکابی میں کھانا اور ٹن کے ڈبے میں پانی لیتا۔ یہ لوگ انہیں الشکریم کہتے تھے۔ حضرت الشکریم کو کبیل یا کوئی کپڑا اندر کیا جاتا تو آپ بازار لے جا کر اُسے فروخت کر دیتے اور جو پیسے ملتے انہیں محتاجوں میں تقسیم کر دیتے۔

لوگ یہ بھی دیکھتے کہ صدر دروازے پر دربان کی طرح کھڑے ہوئے الشکریم کبھی کبھی یکایک موقدب ایتادہ ہو جاتے اور بار بار زبانت پرکارتے:

"خبردار ہوجاؤ، لال بنگلہ آتا ہے"

دس پندرہ منٹ بعد شکرورہ کے محل سے حضور بابا تاج الدین باہر آتے۔ گویا آپ پہلے سے لوگوں کو بابا صاحب کے آنے کی اطلاع کر دیتے تھے تاکہ وہ ہوشیار ہو جائیں۔ اسی طرح جب بابا صاحب کی سواری سامنے سے گزرتی تو حضرت الشکریم فوجی انداز سے سیلوٹ کرتے اور جب تک بابا صاحب وہیں نہیں آتے اوروازے



پراس طرح موجود رہتے جیسے نگہبانی کے فرشتوں انجام دے رہے ہوں۔  
حضرت اشدرکیم کا وصال بابا صاحب کے پردہ فرمانے کے چند دن بعد ہوا  
اور تاج آباد کے قبرستان میں دفن کئے گئے۔

## حضرت بابا عبد الرحمن

آپ مدد راسی پلٹن میں ملازم تھے۔ وہاں سے وظیفہ ملتا تھا۔ بعد میں آپ نے  
کسی بحری جہاز پر نوکری کر لی۔ ایک بار سفر کرتے ہوئے جہاز پر سے پانی میں گر گئے۔  
بابا تاج الدین سے عقیدت اور محبت کی وجہ سے آپ نے بابا صاحب کا قصہ کیا تو  
نامعلوم طریقے سے کنارے تک پہنچ گئے۔ وہاں سے پیدل ہی بابا تاج الدین کی خدمت  
میں حاضر ہوئے۔

بابا تاج الدین کی توجہ سے آپ پر جذب طاری ہو گیا۔ بابا صاحب نے  
آپ کا نام عبد الرحمن رکھا۔ اور اسی نام سے آپ مشہور ہوئے۔ جب آپ پر استغراق  
کا غلبہ ہوا تو کپڑوں سے بے نیاز ہو کر ایک قبرستان میں رہنے لگے۔ ایک دن جب  
آپ نے بے خودی کی حالت میں بابا صاحب کے پاس پہنچے تو بابا صاحب نے ایک  
کپڑا عطا کر کے احرام باندھنے کا حکم دیا۔ احرام باندھتے ہی جذب جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔  
بابا تاج الدین نے آپ کو گاڑھا گھاٹ کاٹھا جا کر ہریکڑوں کے مندر میں رہنے کا حکم دیا۔  
بابا عبد الرحمن کاٹھا کے مندر میں رہ کر راجہ حق کے مشا شیروں کو راستہ دکھانے  
لگے اور پریشان حالوں کی داد دینی آپ کے ذریعے ہونے لگی۔ مندر کا انتظام و انصرام  
ایک برہمن خاتون کرتی تھی۔ وہ بھی بابا عبد الرحمن کے ہاتھوں پر بیعت ہو گئی۔

ابھی خدمت کا یہ سلسلہ جاری تھا کہ بابا عبد الرحمن کی طبیعت خراب ہو گئی۔ آپ  
بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بابا صاحب نے کہا: آپ پہلے جائیں میں  
بھی آ رہا ہوں؟

چنانچہ بابا تاج الدین کے وصال سے تین دن پہلے ۲۳۔ محرم الحرام ۱۲۴۲ھ  
کو بابا عبد الرحمن اس دنیا سے پردہ کر گئے۔ آپ کی تدفین سرگردہ کے تیکے میں کی گئی۔

## حضرت بابا عبد الکریم

آپ کے والد حسن احمد صاحب ضلع چھلی بندر کے انعام دار تھے۔ آپ کے  
پانچ بھائی اور چار بہنیں تھیں۔ آپ پلٹن نمبر ۶۳ میں ملازم ہو گئے اور آپ کی تعیناتی ناگپور  
ہوئی۔ آپ جمناسٹک میں بھی مہارت رکھتے تھے۔

کسی وجہ سے آپ نے اپنے والد کو خط میں سخت الفاظ لکھ دیئے جس سے  
حسن احمد صاحب ان سے ناراض ہو گئے۔ ادھر بابا عبد الکریم نے ملازمت چھوڑ دی۔  
اور کاٹھا ندی کے کنارے ایک بزرگ کے مزار پر محکف ہو گئے۔ ان بزرگ نے  
عالم بشارت میں ان سے کہا کہ اس زمانے میں بابا تاج الدین عارفین کے سردار ہیں، تم  
ان کی خدمت میں جاؤ۔

بابا عبد الکریم دوبار تاج الادب میں حاضر ہوئے۔ بابا صاحب نے دیکھتے ہی  
دشربایا: تم اپنے والد کی زیارت کر کے آؤ۔

حکم کے مطابق والد کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے روانہ ہوئے۔ بابا صاحب  
کی خدمت میں صرف چند تابعوں کی حاضری نے آپ کے اندر عجیب تبدیلی پیدا کر دی تھی۔



آپ زیادہ تر خاموش رہتے اور اکثر کھانا کھانا بھی بھول جاتے۔ نرمول پہنچ کر بابا عبدالحکیم اپنے والد سے ملے اور وہاں سے واپس بابا صاحب کی خدمت میں واک آ گئے۔

بابا تاج الدین نے بابا عبدالحکیم کا نام محمد حسین رکھا۔

ایک دفعہ ناگپور میں طاعون کی وبا بہت شدت سے پھیلی۔ ہزاروں افراد موت کا لقمہ بننے لگے۔ بابا تاج الدین نے محمد حسین بابا کو بلا کر کہا: اونٹ پر بیٹ کر ناگپور کی گلی گلی گھومو اور بلا کو بھگاؤ۔

محمد حسین بابا اونٹ پر بیٹ کر گلی گلی گھومنے لگے۔ لوگ کسی بھینس کو آپ کے پاس لے کر آپ بابا صاحب کا نام لے کر حباب دہن طاعون کی غصی پر لگا دیتے اور مرین موت کے منہ سے نکل آتا۔ کچھ دنوں میں ناگ پور سے طاعون کا خاتمہ ہو گیا اور اس کے بعد طاعون نے شہر کو اپنا نشانہ نہیں بنایا۔

محمد حسین بابا کا دس سال سلطنت ہوئی۔ آپ کا نژاد شکرورہ کے باہر تاج آباد میں ہے جہاں آج بھی بابا تاج الدین کا عرس منایا جاتا ہے۔

## حضرت حکیم نعیم الدین

آپ کا تعلق مدراس سے تھا اور آباد اجداد قریبی تھے۔ حکیم صاحب کے چچا جیڈا کن کے شاہی طبیب تھے۔ چچا نے بے اولاد ہونے کی وجہ سے ان کو لے کر پالا تھا۔ چچا نے آپ کو اچھی تعلیم دلوائی اور طب بھی پڑھائی۔ بابا تاج الدین کا ذکر سناتو خوبی دیدار میں واک حاضر ہوئے۔ بابا صاحب نے فرمایا: دنیا کا چند روزہ تماشہ دیکھ کر آؤ۔ حکیم صاحب جیڈا آباد واپس چلے گئے۔

کیانی کے نواب حکیم صاحب کی شخصیت سے بہت متاثر ہوئے اور ان کو اپنے معتمد بنالیا۔ اختتام یہاں تک بڑھا کہ حکیم صاحب نواب صاحب کی جائیداد کے مختار ہو گئے۔ کچھ دنوں بعد نواب صاحب کا انتقال ہو گیا۔ حکیم نعیم الدین کو بہت صدمہ ہوا اور بابا تاج الدین کے انفاظ یاد آئے کہ دنیا کا چند روزہ تماشہ دیکھ کر آؤ۔

حکیم نعیم الدین کیانی سے جیڈا آباد دکن چلے آئے اور ارادہ کیا کہ بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوں لیکن والدہ کی خدمت میں رکاوٹ کے خیال سے فی الوقت ارادہ ملتوی کر دیا۔ جب والدہ بھی اس دار فانی سے رخصت ہو گئیں تو اپنی جائیداد اور سرمایہ رشتہ داروں اور غریبوں میں تقسیم کر کے فقیرانہ لباس میں دوبار تاج آباد لیا۔ روانہ ہوئے۔ چلتے ہوئے آپ نے جوئے میں چچا کی بجزب ادویات بھی رکھ لیں۔ ان کے ساتھ ایک بڑھا بھی شریک سفر ہو لیا۔

شکرورہ پہنچ کر آم کے درختوں کے نیچے قیام کیا۔ شریک سفر بوڑھے کے پاس جو روپیہ سہ تھادہ راستے کے اخراجات میں ختم ہو گیا۔ دوسرے روز بھوک نے ستایا تو حکیم صاحب مٹی کا ایک ٹھیکرے کر قریبی ٹنگر پر گئے۔ ٹنگر تقسیم کرنے والا لوگوں سے دشتی سے پیش آ رہا تھا۔ ان سے برداشت نہ ہو سکا اور خالی ہاتھ واپس چلے گئے وہ دن بھوک کے رہ کر گزارا۔ اگلے دن ہمراہی بوڑھے نے بھوک کی شکایت کی حکیم صاحب کے پاس کسی فقیر کی دی ہوئی اکبر سٹی اس سے ایک ٹولہ سونا تیار کیا اور بوڑھے کو دیا کہ بازار میں فروخت کر آؤ۔ اور بوڑھا بازار گیا، بابا تاج الدین اپنی قیام گاہ سے نکل کر درخت کے نیچے آئے اور حکیم صاحب سے کہا: مٹی کا ٹھیکرے دینا لے کر آیا ہے یہ کہہ کر اکبر بنانے کے سامان کو اونڈھا کر دیا اور چلے گئے۔



کچھ دیر بعد بوڑھا بازاری سے کھانے کا سامان لے کر آیا گیا۔ حکیم صاحب نے بابا صاحب کی آمد کا حال کہہ کر بوڑھے کو واپس جمد رآباد بھیج دیا۔ اور وہ جہولہا جس میں اکیر وغیرہ رکھا ہوا تھا زمین میں دفن کر دیا۔ دو دن حکیم صاحب نے درخت کی پتیاں کھا کر گزارے۔ تیسرے روز وزیر نامی صاحب جو بعد میں وزیر بابا جھنڈے والے کے نام سے مشہور ہوئے وہاں آئے اور حکیم صاحب کو اپنی جھونپڑی میں لے گئے۔ اور ان کی ضروریات کا خیال رکھنے لگے۔

رفتہ رفتہ لوگوں میں حکیم نعیم الدین صاحب کی شہرت ہونے لگی اور لوگ آپ کی عزت کرنے لگے۔ آپ کے لئے ایک جھونپڑی بھی بنادی گئی جس میں آپ منگلت رہتے۔ بہت کم باہر نکلتے تھے۔ آپ کو بابا تاج الدین سے ایسی ذہنی نسبت ہو گئی تھی کہ جب لوگوں کو بابا صاحب کی کہی ہوئی کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی تو آپ سے رجوع کرتے۔ آپ فوراً اس کا مطلب بتا دیتے تھے۔

وصال کے دن آپ نے کہہ دیا تھا کہ آج ہماری روانگی ہے۔ آپ کا حال یہ تھا کہ گئے، آدھ گئے، بعد انکھیں کھول کر پوچھتے، "کتنا بجا ہے؟" شام کو پانچ بجے کے قریب پھر یہی سوال کیا تو بتایا گیا کہ پانچ بجے ہیں۔ پس حکیم صاحب نے بلند آواز سے کہا: لا الہ الا اللہ، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری دفعہ کہنے کے ساتھ ہی آپ کی روح پرواز کر گئی۔ حکیم نعیم الدین صاحب کا مزار ناندورا میں گیان ندی کے کنارے واقع ہے۔

## حضرت محمد عبدالعزیز عرف نانایا

حضرت محمد عبدالعزیز مددگار تھے اور آپ کے والد کا تعلق فوج سے تھا۔ ان

کی سرگزشت جو خود انہوں نے بیان کی رہی ہے :-  
میں رائے پور میں سکونت پذیر تھا۔ یہاں اکثر شائع آتے اور کوشش کرتے کہ میں ان کامیاب ہو جاؤں لیکن میں انکار کر دیتا۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ ایک بنگلہ جلوہ مندر دہلی میں۔ ان کے ایک طرف پانی پر رہا ہے اور دوسری طرف روشنی پھیلی ہوئی ہے۔ ایک آدمی کہیں سے منو دار ہوا اور بزرگ کی طرف اشارہ کر کے مجھ سے کہا۔  
"یہ ہے تمہارا راستہ!"

میں بیدار ہوا تو دل سکون و اطمینان سے سرشار تھا۔ اس دن کے بعد میں اکثر اس خیال میں رہتا کہ جن صاحب کی میں نے خواب میں زیارت کی ہے، ان سے نہ جانے کب ملاقات ہو۔ اس زمانے میں میرے چند دوست ناگپور کے پاگل خانے میں بابا تاج الدین کے پاس گئے اور ان کے اندر ہونے والی تبدیلی کو میں نے بخوبی محسوس کیا۔ نیز اور بہت سے لوگوں سے بابا صاحب کی شخصیت اور کرامات کا تذکرہ سن کر میرے دل میں بھی زیارت کا اشتیاق ہوا۔

واکی میں بابا صاحب کے پاس حاضر ہوا تو دیکھا کہ بابا صاحب نے ایک تنکا اٹھایا۔ اور اپنی ران پر آہستہ آہستہ لکھنا شروع کیا۔ میں آپ کے ہاتھ کی حرکات کو بغور دیکھ رہا تھا۔ میں یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا کہ بابا صاحب نے اپنی ران پر میرا پورا نام صح و لدیت کے لکھ دیا۔ جب کہ میں پہلی دفعہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور آپ سے بات تک نہیں کی تھی۔ اسی وقت مجھ اپنا خواب یاد آگیا اور میں نے پہچان لیا کہ میں نے خواب میں جن بزرگ کی زیارت کی تھی وہ بابا تاج الدین ہی تھے۔

میں اکثر بابا تاج الدین کی خدمت میں میلاد شریف پڑھتا تھا۔ ایک دن بابا صاحب



نے کہا: کتاب لائے میں کتاب لے کر بابا صاحب کے پاس پہنچا تو انہوں نے ایک صفحہ کھول کر بطور نشانی لکوا کی سی یک اس پر رکھ دی اور فرمایا: یہ تمہارا ترک ہے یہ انفرادی سنتے ہی میرے دل کی دنیا زبردہ ہو گئی۔ مجھے دنیا اور دنیا کے معاملات بیچ دکھائی دینے لگے۔ میرے ذہن میں ترک دنیا کا خیال آیا اور میں نے ارادہ کر لیا کہ سب کچھ چھوڑ کر گوشہ نشین ہو جاؤں گا۔ یہ خیالات ہر وقت میرے ذہن میں گشت کرنے لگے۔ چند دن بعد بابا تاج الدین نے دوبارہ کتاب طلب کی اور اس پر کسب فرمایا: چالیس، پچاس، ساٹھ، ستر اور ناب مجھے دیتے ہوئے فرمایا: ترک کو سمجھو۔

اگلے روز بابا صاحب نے اپنے روحانی تعارف سے مجھے سمجھایا کہ ترک کیا ہے اور میں سمجھ گیا کہ ترک دنیا کو چھوڑ دینے کا نام نہیں بلکہ ان خیالات سے نجات حاصل کرنے کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ فوراً ہی میرے دل سے دنیا چھوڑنے کا خیال ختم ہو گیا اور میں بابا صاحب کی اجازت سے اپنے وطن راولپنڈی چلا گیا۔

رائے پور میں مسیری تنخواہ میں بتدریج اضافہ ہونا شروع ہوا اور یہ اضافہ اسی شرح سے ہوا جو بابا صاحب نے میری کتاب پر تحریر کیا تھا۔ ۲۵ روپے سے بڑھ کر میری تنخواہ چالیس روپے ہوئی۔ پھر پچاس، پھر ساٹھ اور پھر ستر روپے ہو گئی۔ رائے پور میں کچھ عرصہ رہنے کے بعد میں اپنی اہلیہ کے ساتھ واپس گیا۔ وہاں دستور تھا کہ ہر شخص کھانا پکا کر بابا صاحب کی خدمت میں پیش کرتا۔ ایک دن میں نے بھی کھانا تیار کر دیا اور بابا صاحب کی رہائش گاہ کی جانب گیا۔ پتہ چلا کہ بابا صاحب ندی کی طرف گئے ہیں۔ میں ندی کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ بابا صاحب چاروں طرف پردہ تان کر اندر بیٹھے

ہوئے ہیں۔ اور ہر شخص کا لایا ہوا کھانا پیش کیا جا رہا ہے۔ میرا ترشہ دان بھی پیش کیا گیا۔ لیکن بابا صاحب نے کسی بھی ترشہ دان کی طرف ہاتھ نہیں پڑھایا۔ قریب ہی ایک ہندو دکن کھانا پکا رہا تھا۔ اس نے ایک تھالی میں زرد رنگ کی نہ جانے کیا چیز نکالی اور اتم میں گوار کی چھیاں نکال کر بابا صاحب کی خدمت میں پیش کیں بابا صاحب نے تھالی سے کرپہ کھانا نہایت خوشی اور رغبت سے کھانا شروع کیا۔ پھر بڑے کمر کا کرپہ طرف دیکھا اور کہا: آؤ یہ کھانا کھاؤ۔ تمہارے کام کی چیز ہے۔ میں نے دوڑ کر تھالی ہاتھ میں سے لی۔ دیکھا کہ کھانے کے ساتھ بہت سی چیزیں شامل ہیں جو موز کے چھلکے، بیڑی کے ٹکڑے اور کچھ کنکر، پتھر۔ میں یہ کھانا بہت شوق سے کھانے لگا۔ تبرکات بہت سے دگ میرے ساتھ شریک ہو گئے۔ حیرت انگیز بات یہ بھی کہ دیکھنے میں وہ بیڑی کے ٹکڑے اور کنکر پھر دکھائی دیتے تھے لیکن منہ میں جانے کے بعد وہ کوئی اور چیز ثابت ہوتے تھے۔ جن کا ذائقہ ناقابل بیان ہے۔

ایک دفعہ مئی کے محنت گرم مہینے میں بابا تاج الدین جھنگل میں بہت دُور تک چلے گئے۔ ساتھ جانے والے ایک چھتری چھتری بابا صاحب کے سر پر پھیلائے چل رہے تھے تاکہ آپ کو دھوپ کی تکلیف نہ ہو۔ مجھ سے یعقوب نامی خادم نے کہا: آپ بھی چھتری پکڑ کر خدمت میں شریک ہو جائیں۔ میں نے ڈرتے ڈرتے چھتری ہاتھ میں لے لی۔ اور ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ میں نے بابا صاحب کو دیکھا تو آپ پر استغراق کی کیفیت طاری تھی اور اس درجہ خود فراموشی کے باوجود آپ اس طرح تیز تیز چلے جا رہے تھے جیسے پوری طرح باہوش ہوں۔ آپ کانٹوں، پتھروں سے بے پروا دیوں چل رہے تھے جیسے وہ آپ کے راستے میں نہ ہوں۔ میں نے قدموں پر نگاہ کی تو ایسا لگا جیسے بابا صاحب







رہنے والے تھے اور جیل پور کے کسی آفس میں کلرک تھے۔ بابا تاج الدین سے گہری  
عقیدت تھی۔ بابا صاحب سے دلی وابستگی کا یہ عالم تھا کہ بابا صاحب کا نوٹو پاس رکھتے  
تھے اور اس کی پوجا کرتے تھے۔ ایک دن نوٹو سامنے رکھے ہوئے ہدیہ عقیدت پیش  
کر رہے تھے کہ منظر بدل گیا۔ دیکھا کہ نوٹو سامنے ہے اور نہ آپ اپنے مکان میں موجود  
میں بلکہ تاج الدین بابا ایک عجیب شان سے جلوہ افروز ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر نیل کنٹھ راؤ  
صاحب بے ہوش ہو گئے۔ ہوش میں آنے کے بعد وارفتگی اور جذب میں شکر ورہ پایا  
تاج الدین کے پاس پہنچے۔ لوگوں نے دیکھا کہ آپ مست و بے خود بابا صاحب کی شان  
میں گہمت گاتے رہتے تھے۔

کچھ عرصہ شکر ورہ میں رہنے کے بعد بابا نیل کنٹھ راؤ جیل پور چلے گئے جیل پور  
میں ہزاروں لوگوں نے آپ سے فیض پایا۔ ۱۹۳۱ء میں آپ اس دنیا سے رخصت  
ہو گئے۔ آپ کو سادھی ناک پور میں موجود ہے۔

## سکوبائی

شکر ورہ میں بابا تاج الدین کے پاس گلاب نامی ایک بنجارہ (روٹی  
و پھلنے والا) آیا۔ اس نے بابا صاحب سے عرض کیا: حضرت! میں دونوں آنکھوں  
سے معذور ہوں اور کوئی کام نہیں کر سکتا۔  
بابا صاحب نے فرمایا: اپنے گاؤں میں چسپرائی رکھ کر یہاں کیوں آیا  
ہے؟ جا، اور مجھے وہاں دیکھ!

گلاب اپنے گاؤں واپس گیا اور گھر میں بیٹا بابا صاحب کے ارشاد پر غور کر رہا

تھا کہ آنکھوں پر کسی کے ہاتھ کا لمس محسوس ہوا۔ کوئی ان کی آنکھوں پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔  
گلاب نے آثار و شواہد سے اندازہ لگایا کہ یہ سکوبائی ہیں۔ اس وقت سکوبائی کا بچپن  
تھا۔ گلاب سمجھ گیا کہ موتہ ہو، بابا صاحب نے جس شخصیت کی طرف اشارہ کیا ہے وہ  
سکوبائی ہی ہیں۔ ورنہ بغیر بلائے آنے اور آنکھوں پر ہاتھ پھیرنے کی کیا وجہ ہے۔

سکوبائی گلاب کی آنکھوں پر ہاتھ پھیر کر چلی گئیں اور پھر بتدریج گلاب  
کی بینائی بڑھنے لگی۔ اس واقعہ سے سکوبائی پورے گاؤں میں مشہور  
ہو گئیں اور سینکڑوں کی تعداد میں لوگ آپ کے پاس آنے لگے۔

سکوبائی کئی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں اور پیرائشی مجذوب اور ولی اللہ  
تھیں۔ آپ صلیح و روحانی سستی ماں کے نام سے مشہور ہوئیں۔

## بی اماں صاحبہ

آپ کے والد چاندہ میں مسجد کے پیشوا امام تھے۔ ان کے ہاں کوئی اولاد  
زندہ نہیں رہتی تھی۔ پیشوا امام صاحب کی بیوی نے منت مانگی کہ اگر اولاد زندہ رہے گی  
تو میں اسے بابا صاحب کے زیر سایہ جسے دوں گی۔ چنانچہ بی اماں صاحبہ پیدا ہوئیں  
اور زندہ رہیں۔ کم سنی میں ان کو بابا صاحب کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ تو بابا صاحب نے  
آپ کی پرورش اپنے مامول عبدالرحمن صاحب کے سپرد کی۔ جب بی اماں صاحبہ  
سن بلوغ کو پہنچیں تو ان کے رشتے دار انہیں چاندہ لے گئے اور شادی کر دی۔ شادی  
کے کچھ دنوں بعد بی اماں صاحبہ پر استغراق کی کیفیت غالب رہنے لگی جس کو دیکھنے  
ہوئے لوگوں نے دوبارہ بابا صاحب کے سامنے پیش کیا۔ چند روز بابا صاحب کے



پاس رہیں تو جذب ختم ہو گیا۔ بابا صاحب نے ان کی تربیت اور تعلیم فرمائی اور بعد از مرگ کا لقب دیا۔ جنہاں صاحب نے راجہ میں قیام کیا اور وہیں آپ کا چشمہ کبھی جاری ہوا۔

## حضرت دوا بابا

آپ کا تعلق گورکھ پور سے تھا۔ بابا تاج الدین کے وصال کے دن ناگپور آئے اور بعض لوگوں کے بیان کے مطابق تین دن بعد ناگپور آئے۔ آپ کو بابا صاحب سے روحانی نسبت حاصل تھی۔

حضرت دوا بابا تاج آباد میں مقیم رہے اور لوگوں میں آپ کی عقیدت و محبت گہ کر کے لگی۔ اسی زمانے میں آپ پر جذب طاری ہو گیا۔ یکایک جلال میں آکر لوگوں کو متحیر کرنے لگے۔ ان دنوں تاج آباد کا انتظام حضرت فرید الدین کے سپرد تھا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کوئی شخص دوا بابا صاحب کے ہاتھوں مارا جائے۔ حضرت فرید الدین بابا تاج الدین کی طرف متوجہ ہو کر ان کے مزار کی پانچ پر سو گئے۔ خواب میں اشارہ ملا کہ دوا بابا صاحب کو زنجیروں سے باندھ کر رکھا جائے حضرت فرید الدین زنجیر لے کر دوا بابا صاحب کے پاس پہنچے۔ دوا بابا صاحب نے انہیں آتا دیکھ کر اپنے دونوں ہاتھ آگے بڑھا دیے اور زنجیریں پہن لیں۔ لیکن رات کو نہ جانے کس طرح زنجیروں کی قید سے آزاد ہو کر تاج آباد سے باہر چلے گئے اور پندرہ دن بعد تاج آباد میں دوبارہ نظر آئے۔ حضرت فرید الدین صاحب ان کے پاس اپنے عمل کی معافی مانگنے گئے۔ ابھی وہ کچھ کہنا ہی چاہتے تھے کہ دوا بابا صاحب نے کہا: تیری کوئی غلطی نہیں ہے۔ سب بابا صاحب کے زیرِ حکم ہیں۔

ان دنوں ناگ پور کے راجا اعظم شاہ لالہ دستے۔ دوا بابا صاحب کی دعا سے ان کے ہاں کئی اولادیں ہوئیں۔ راجا اعظم شاہ کی درخواست پر دوا بابا صاحب نے ان کے قلعے میں یہنا قبول کر لیا۔ کچھ عرصہ بعد وہیں آپ کا وصال ہو گیا۔ آپ کا جسدِ خاکی راجا اعظم شاہ کے قلعے سے تاج آباد لایا گیا۔ اور وہیں آپ کا فرار ہے۔ جس طرح بابا تاج الدین کی چلہ گاہ راجا رگوجی راؤ کے محل میں ہے اسی طرح دوا بابا صاحب کا چلہ راجا اعظم شاہ کے محل میں موجود ہے۔

## نانی صاحبہ

آپ مجذوب تھیں اور ایک فقیر خاندان سے تعلق تھا۔ اکثر مستانہ وار جھوم جھوم کر بابا تاج الدین کی شان میں اشعار گاتی تھیں۔ ایک بھارتا اور لشکوٹ آپ کا لباس تھا۔ نانی صاحبہ کی کوئی بات رموز و نکات سے خالی نہیں ہوتی تھی۔ آپ آخری وقت تک تاج آباد میں مقیم رہیں، وہیں وصال ہو اور وہیں دفن کی گئیں۔

## حضرت محمد غوث بابا

آپ مدراس سے تعلق رکھتے تھے اور شکر درہ میں اکھاڑے کے پیچھے ایک جھونپڑے میں آپ کا قیام تھا۔ آپ ایک عابد اور سالک تھے۔ اس لئے بابا صاحب نے آپ سے ارشاد و تبلیغ کا کام لیا۔ بابا تاج الدین رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی شاگرد آپ نے ویجاٹور اور کلک کے علاقوں میں پھیلایا۔ ان علاقوں کے عوام کے علاوہ باہر



افراد بھی آپ سے فیض یاب ہوئے۔  
حضرت محمد غوث بابا نے اپنے ہاں ایک چھوٹا سا سنگرخانہ بھی قائم کر رکھا تھا جس سے درویشوں اور محتاجوں کو کھانا تقسیم کیا جاتا تھا۔ ۳ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ کو آپ دہلی انگریزوں سے واپس آ رہے تھے کہ راستے میں انتقال ہو گیا اور جسدِ خاکی شکر درہ لایا گیا۔ بابا تاج الدین کے حکم سے راجہ باگ سوار کی طرف سرگردہ کے نیچے میں سپرد خاک کئے گئے۔

### قاضی محمد علی

۱۸۹۲ء میں پیدا ہوئے۔ دو سال کی عمر میں والدہ کا انتقال ہو گیا تو پھر بھی نے گودے کرالا۔ پھر بھی کا خاندان ناندورہ ضلع بلڈانہ دیوار میں آباد تھا۔ مڈل ٹیک پڑھنے کے بعد آگے کی تعلیم کام گاؤں میں حاصل کی۔ تعلیم سے فارغ ہو کر جمی آئی پی ریلوے میں ملازمت کی درخواست دی۔ ٹکٹ کلر کی ملازمت مل گئی اور جلد ہی ترقی کر کے بحیثیت گارڈ بھاول ٹکشن پر تعینات کئے گئے۔

قاضی صاحب اپنے ایک ساتھی کارڈ سید محمد رحمان الدین صاحب کے ساتھ بابا صاحب کی خدمت میں پہنچے۔ بابا صاحب نے آپ کو گیارہ روز تک اپنے پاس رکھنے کا حکم دیا۔ گیارہویں دن صبح بابا صاحب رحمۃً فرمائی کہ: "میرے والد کو بلاؤ۔" بلاؤ بلاؤ بات بکارتی گئی تو مرثیہ قاضی احمد علی ریلوے سے متعلق نکلے۔ قاضی مجدد علی بابا صاحب کے پاس پہنچے تو انہوں نے قاضی صاحب کے سر اور پشت پر دستِ شفقت پھیر کر کہا: "حضرت جاکو آؤ۔" حسبِ حکم ناگ پور سے بھاول پہنچے۔ اگلے دن صبح ڈیوٹی

پر حاضر ہونا تھا۔ لیکن رات کو بابا صاحب نے بذریعہ کشفِ حکم دیا: "واپس آتے جی حضرت! آپ پہلی ٹرین سے ناگ پور روانہ ہوئے۔ بابا صاحب اسٹیشن پر ٹھہر رہے تھے۔ بابا صاحب نے سر پر ہاتھ پھیر کر عادی اور واپس جانے کا حکم دیا۔ بابا صاحب کے پاس قاضی صاحب کی ملازمت کا عجیب طالع ہو گیا۔ بابا صاحب حکم دینے کہ یہیں رہتے جی تو آپ ملازمت سے بے نیاز ہو کر بابا صاحب کے پاس رہنے لگتے۔ اور جب واپسی کا حکم ملا، دوبارہ ملازمت کی درخواست دینے اور اسی ہمدرد پر بحال کر دیے جاتے۔ ایک مرتبہ رات میں بابا صاحب کی طرف سے حکم ہوا، حضرت یہاں آتے جی۔ اگلی صبح ناگ پور تبا دلے کا تار ملا۔ ناگ پور پہنچے تو بابا صاحب نے فرمایا، ہاؤ جی حضرت! یہیں آم کے درخت کے نیچے رہتے، بھٹیارا پکاتا، اپن کھا۔ قاضی صاحب کم کے درخت کے نیچے ٹھہر گئے اور بابا صاحب انہیں نظر فیض سے نوازتے رہے۔

قاضی صاحب کی عمر ۲۸ سال کی ہوئی تو بابا صاحب نے پھول کا پار، ایک کتاب اور ایک روپیہ عنایت کر کے کہا، حضرت سنت کی پیروی کرتے جی، جاکو آؤ۔ قاضی صاحب پھر بھی کے پاس ناندورہ پہنچے تو وہ ان کی شادی کے لئے منتظر بھی تھے۔ قاضی صاحب رشتہ ازواج میں منسلک ہو گئے۔

شادی کے دو سال بعد بابا صاحب نے قاضی صاحب سے کہا، بہت کھانے لگا رہے۔ آج سے تیرا کھانا بند۔ تین کپ کالی چائے پیتے، اچھے رہتے۔ تو نے دن کے بعد بابا صاحب نے فرمایا، اب تو صبح ہو گیا رہے، کھاتے پیتے، اچھے رہتے۔ بابا صاحب کے دو سال کے بعد قاضی صاحب پر بذریعہ کیفیت طاری ہو گئی تھی۔



ایک روز بابا صاحب نے حکم دیا، حضرت دنیا میں رہ کر دنیا کے کام کرتے، اچھے رہتے۔ چنانچہ ناک پور سے ناندوہ گئے۔ جو پستی کا کورس کر کے ڈاکٹر بنی سند حاصل کی۔ اور علاج معالجے کے ذریعے خدمتِ خلق کی طرف رجوع ہوئے۔

بابا صاحب کے حکم پر چلی گئے اور وہاں بھی خدمت کا سلسلہ جاری رکھا۔ جب پاکستان کا قیام ہوا تو قاضی صاحب کراچی آ گئے۔ اور بابا صاحب کی تعلیمات کو پھیلانے اور نذر و نیاز کا اہتمام جاری رکھا۔

وصال سے پہلے قاضی صاحب نے کھانا بند کر دیا۔ اور نوے دن تک کچھ نہیں کھایا۔ بالآخر ۱۵۔ ربیع الثانی ۱۳۷۸ھ مطابق ۲۸۔ اکتوبر ۱۹۵۸ء قاضی صاحب نے پردہ فرمایا۔ سی۔ ون ایریا، یساق آباد کے قبرستان میں آپ کا مزار ہے۔

### حضرت فرید الدین کریم بابا

آپ کا ٹیٹا وار کے علاقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ بچپن ہی میں بابا تاج الدین کے پاس حاضر ہو گئے تھے۔ بابا تاج الدین سے مستفیض ہونے کے علاوہ آپ نے بابا صاحب کے دیگر فیض یافتگان سے بھی کسب فیض کیا۔ بابا صاحب کے حکم سے حکیم نعیم الدین صاحب کی خدمت میں رہ کر تصوف کے علاوہ طب اور دوا سازی کی تعلیم حاصل کی۔ خواجہ علی امیر الدین کے پاس بھی رہے۔ آپ کو بابا تاج الدین رحمہ سے گہری تعلیق لگاؤ رہا۔ کریم بابا نے بابا تاج الدین رحمہ کے حالات اور کثرتِ درگاہات پر مبنی ایک کتاب "تاج مراری" بھی تألیف کی۔ آج کل آپ تاج آباد کھٹی کے صدر ہیں۔ تاج آباد کھٹی بابا تاج الدین کی درگاہ اور عرس کے اشتیاقات کرتے ہیں۔

حضرت فرید الدین تاجی (کریم بابا صاحب) اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں :  
جھانسی سے ایک صوفی صاحب بابا صاحب سے ملاقات کے لئے شکر درہ آئے۔ صوفی صاحب کا قیام میرے ساتھ تھا۔ اور ہم دونوں میں ہر وقت تصوف اور روحانیت پر گفتگو ہوتی تھی۔ ایک دن میں نے شاہ صاحب سے پوچھا، کیا کوئی ایسا آسان طریقہ ہے جس کے ذریعے مجھ میں ایسی صلاحیت پیدا ہو جائے کہ میں عرفان کی منزل کو تیزی سے عبور کر لوں۔ انہوں نے ایک عمل بتاتے ہوئے کہا کہ اس عمل کو کسی قبرستان میں کرو۔ جذبہ شوق سے مغلوب ہو کر میں قبرستان جا کر یہ عمل کرنے لگا۔ تیسرے روز آنکھیں بند کئے اپنے عمل میں مشغول تھا کہ مجھے محسوس ہوا کہ بابا صاحب کی خلق میں ڈوبی ہوئی آواز مجھے پکار رہی ہے۔ میں نے آنکھیں کھول کر چاروں طرف دیکھا تو بابا صاحب دکھائی نہ دیے۔ میں دوبارہ آنکھیں بند کر کے عمل میں غرق ہو گیا۔ جیسے ہی عمل شروع کیا، بابا صاحب رحمہ کی غصہ بھری آواز کان میں پڑی۔ گویا آپ مجھے منع فرما رہے ہیں۔ میں فوراً اٹھا اور شکر درہ مالاب کے کنارے کنارے چلتا ہوا بابا صاحب کی نشست گاہ کی طرف بڑھا۔ اس وقت رات کے تین بجے تھے۔ جوں ہی میں اپنے پرانے جھونپڑے کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ آم کے درخت کے نیچے بابا صاحب موجود ہیں بابا نے مجھ سے کہا : کیوں رے ! کون بولا بڑے بڑے پہاڑاں کو دھونے کو، یہ ماٹیں لے !

بابا صاحب نے ماٹیں مجھے پکڑا لے ہوئے کہا : کاہے کو رے ادھر ادھر ڈھونڈتا ہے۔ پھر آپ نے کچھ الفاظ اور فرمائے جو میری سمجھ میں نہ آئے۔ دل ہی دل میں عرض کیا : حضور ! میری سمجھ میں نہیں آیا کہ آپ نے کیا فرمایا !



دل میں اس خیال کے آتے ہی بابا صاحب نے ایک ٹکڑے کا پتہ مجھے مارا اور فرمایا  
 "ذہن چسرا لے ہے۔"

بابا صاحب روح نے برابر کھڑے ہوئے ایک صاحب کے کندھے سے شال  
 لے کر دو ٹکڑے میرے ہاتھ میں دیے اور دو ٹکڑے دیکر فرمایا، بچھا، یہ ہے دکان سے  
 مشنوی ما و کان وحدت است وحدت اندر وحدت اندر وحدت است  
 جب بابا صاحب نے مجھے ما جس دی تو میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ جس طرح  
 ما جس کی تیلی میں شعلہ نور چھپا ہوا ہے اسی طرح اللہ کا نور بھی میرے اندر موجود ہے۔  
 اللہ کو اپنے پاس رکھ کر ادھر ادھر ٹھونڈنا اور خود سے الگ سمجھنا لامحالہ ہے جب  
 انسان خود کو پہچان لیتا ہے تو اس ہستی کا عرفان حاصل کر لیتا ہے جس نے خود کو متعارف  
 کرانے کے لئے کائنات کو وجود کا لباس پہنایا ہے۔

## قلندر بابا اویار

آپ کا ہم عمر عظیم شخص بنیا اور لقب قلندر بابا اویار ہے۔ قلندر بابا ارشد  
 میں بابا تاج الدین ناگ پور کی کے نواسے ہیں۔  
 قلندر بابا اویار ۸۹۸ھ میں قصبہ خوجہ، ضلع بلند شہر، یوپی (بھارت)  
 میں پیدا ہوئے۔ قرآن پاک اور ابتدائی تعلیم محلے کے مکتب میں حاصل کی۔ ہائی  
 اسکول تک بلند شہر میں پڑھا۔ اور پھر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں انٹرمیڈیٹ داخلہ لے لیا۔  
 علی گڑھ میں قیام کے دوران آپ کی طبیعت میں درویشی کی طرف میلان پیدا  
 ہو گیا۔ اسی اثنا میں قلندر بابا اپنے نانا بابا تاج الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔  
 نانا نے انہیں اپنے پاس روک لیا۔ قلندر بابا کے والد کو جب اس بات کا علم ہوا تو  
 وہ ناگ پور گئے اور بابا تاج الدین سے عرض کیا: "اے علی گڑھ واپس بھیج دیجئے۔"  
 اس کی تعلیم نامکمل رہ جائے گی۔

استادوں کے استاد، واقف اسرار و رموز، حاصل علم لدنی بابا تاج الدین  
 نے فرمایا کہ اگر اسے اس سے زیادہ پڑھایا گیا جتنا یہ اب تک پڑھا چکا ہے تو میرے  
 کام کا نہیں رہے گا۔

قلندر بابا کے والد نے ایک مشفق باپ کی طرح بیٹے کو سمجھایا اور جب دیکھا کہ  
 بیٹے کا میلان فقر کی طرف ہے تو انہوں نے یہ کہہ کر بیٹے! تم خود سمجھ وار ہو جس طرح  
 چاہو اپنا مستقبل تعمیر کرو۔ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔  
 قلندر بابا اویار بابا تاج الدین کے پاس نو سال مقیم رہے بابا تاج الدین نے نالک



ان کی روحانی تربیت فرمائی۔ تربیت کے زمانے میں ہونے والے ہتھیار واقعات  
میں سے چند واقعات کا تذکرہ اور اس کی علی توجیہ قلندر بابا اولیاء نے کتاب  
”تذکرہ تاج الدین بابا“ میں کی ہے۔

تربیت کے زمانے میں قلندر بابا کی والدہ سیدہ بی بی چار شیوں اور دو  
بیٹوں کو چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ قلندر بابا اپنے چھوٹے بہن بھائیوں  
کی تربیت اور نگہداشت پر مکر بستہ ہو گئے اور جب بچوں کی تربیت کے سلسلے میں  
وقت پیش آئی تو بابا تاج الدین کے ارشاد کے مطابق ان کے ایک عقیدتمند کی  
صاحب زادی سے دہلی میں آپ کی شادی ہو گئی۔

شادی کے بعد قلندر بابا دہلی میں قیام پذیر ہو گئے۔ سلسلہ معاش قائم رکھنے  
کے لئے مختلف رسائل و جرائد کی صحافت اور شعرا کے دیوانوں کی اصلاح اور  
ترتیب کا کام اپنے لئے منتخب کیا۔

تقسیم ہند کے بعد قلندر بابا اپنے والد، بہن، بھائیوں اور اہل دیہات کے ساتھ  
کرچی آ گئے۔ اور لی مارکیٹ میں ایک خستہ حال مکان کرائے پر لیا۔ کچھ عرصہ بعد  
کشنر مجایات، خاں بہادر عبد الطیف نے جو بابا تاج الدین کے عقیدت مند تھے،  
قلندر بابا سے کہا کہ ایک درخواست لکھ دیجئے تاکہ آپ کے لئے کوئی اچھا مکان  
لاٹ کر دیا جائے۔ قلندر بابا نے اس درخواست پر توجہ نہ دی اور اسی مکان میں رہتے  
رہے۔ کچھ عرصہ بعد آپ اردو ڈان میں سب ایڈیٹر کے عہدے پر فائز ہوئے۔ اس  
کے بعد ایک عرصہ تک رسالہ نقاد میں کام کرتے رہے۔ کچھ سالوں کی ادارت کے  
فریق بھی انجام دیئے اور کئی مشہور کہانیوں کے سلسلے بھی قلم بند کئے۔





۱۹۵۶ء میں سلسلہ سہروردیہ کے بزرگ، قطب ارشاد حضرت ابو الفیض قلندر علی سہروردیؒ کو اچھی تشریف لائے۔ قلندر بابا ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت ہونے کی درخواست کی۔ حضرت ابو الفیض نے رات کو تین بجے اٹے کو کہا بیعت سردی کے عالم میں قلندر بابا اگر اٹھ ہوئے، میٹرو ڈروڈ کی سیڑھیوں پر رات کے دو بجے جا کر بیٹھ گئے۔ چھبک تین بجے سہروردی بزرگ باہر آئے اور ساتھ لے کر اندر کمرے میں پہنچے۔ سامنے بٹھا کر پیشانی پر تین پھونکیں ماریں۔ پہلی پھونک میں عالم ارواح منکشف ہو گیا، دوسری پھونک میں عالم ملکوت و جبروت سامنے آگیا اور تیسری پھونک میں قلندر بابا اویار نے عرش علی کا شاہدہ کیا۔

حضرت ابو الفیض سہروردیؒ نے تین بیعت میں قطب ارشاد کی تعلیمات سے کر خلافت عطا کر دی۔ اس کے بعد شیخ نجم الدین گیسریؒ کی مدد پر فتوح نے قلندر بابا کی روحانی تعلیم شہر دہلی کی اور پھر سلسلہ یہاں تک پہنچا کہ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے براہ راست علم لدنی عطا فرمایا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہمت اور نسبت کے ساتھ بارگاہ ربّ العزت میں پیشی ہوئی۔ اور اسرار و روز کا علم حاصل ہوا۔ اس زمانے میں قلندر بابا اویار نے مسلسل دس رات اور دس دن شبہ سیری کی اور تہجد کی نوافل میں کئی کئی سو مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھی۔

**سلسلہ عظیمیہ** | ہر زمانے میں یہ طریقہ رہا ہے کہ جب طالب حق کسی عارف بزرگ سے بیعت ہوتا ہے تو وہ بزرگ کسی زکسی دلتے سے قدم قدم چلا کر اُسے عرفان خداوندی کی منزل تک پہنچا دیتا ہے۔ یہ اصول و قوانین اور روحانی راستے کسی سلسلے کا تعین کرتے ہیں۔ اگر وہ اویار اللہ میں سے منتخب

اور اکابر حضرات نے ہر زمانے میں طالبان حق کی عمومی حالت کو پیش نظر رکھ کر اسباق اور اذکار و تربیت کئے ہیں۔ ہر زمانے میں نوبہ انسانی کی شعوری، علمی اور جسمانی صلاحیتوں میں فرق رہا ہے۔ زمانے کے ساتھ ساتھ حالات اور ضروریات میں تبدیلی ہوتی گئی۔ چنانچہ یہ لازمی ہو گیا کہ بدلتے ہوئے وقت کے ساتھ اسباق اور اذکار میں مناسب تبدیلی کی جائے تاکہ طالبان حق کو ان پر عمل پسیرا ہونے میں مشکل پیش نہ آئے۔

علوم و فنون کی بحرہ صفت ترقیوں نے نوبہ انسان کی شعوری صلاحیتوں کو بہت بڑھا دیا ہے۔ انسان کی منکری سطح بھی بلند ہو گئی ہے۔ وہ کیوں اور کیسے کا جواب سنا چاہتا ہے۔ اس ذہنی ارتقا کے ساتھ یہ بات فردی ہو گئی ہے کہ تصرفات کی تعلیمات اور روحانیت کے علم کو جدید ہیچ پر پیش کیا جائے۔ وہ علوم جنہیں کبھی وقت کی ضرورت کے تحت علم سینہ کہہ کر مخصوص حضرات کو منتقل کیا جاتا تھا، اب نوبہ انسان کا اجتماعی ذہن اس مقام پر پہنچ گیا ہے کہ وہ ان علوم کو سن اور سمجھ سکے۔ آج کے سائنسی دور میں کوئی بات اس وقت قابل قبول ہوتی ہے جب اسے فطرت کے مطابق اور سائنسی ترجیحات کے ساتھ پیش کیا جائے۔ اسی بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ابدال حق قلندر بابا اویار نے سلسلہ عظیمیہ کی بنیاد رکھی۔ تاکہ سلسلہ عظیمیہ وقت کی ضرورت کو پورا کرے۔ سلسلہ عظیمیہ کا مشن یہی ہے کہ لوگوں کے اوپر فکر کے دروازے کھول دیے جائیں۔ حالات حاضرہ کو مد نظر رکھتے ہوئے سلسلہ عظیمیہ نے اسباق اور اذکار میں تبدیلی کر کے اسے بہت مختصر اور آسان کر دیا ہے۔



بابا آج الدین اولیاء کے فیض روحانی اور علم معرفت کو سلسلہ  
غلیبہ نے سائنسی بنیادوں پر نئے رنگ اور نئی شان سے متعارف کرایا ہے۔ آنے  
والی نسل کے لئے روحانی سائنس ایک باقاعدہ محرک بن گئی ہے بابا آج الدین ناگزیر  
سے فیض یافتہ ان کے نواسے قلندر بابا کاشن ہندوپاکستان سے نکل کر ایشیا اہ  
یہودی کے ملکوں میں تیزی کے ساتھ مقبول ہو رہا ہے۔

**روح و قلم** | قلندر بابا اولیاءؒ نے جو تحریری سہ ماہی چھوڑا ہے اس میں کتاب  
روح و قلم کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ میں  
روحانیت کے موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان سب میں ترقی اور تہذیب  
مواد موجود ہے لیکن ان قوانین اور فارمولوں کو بیان کرنے سے استرازا کیا گیا ہے  
جو تخلیق اور تہذیب کا مناسبت سے متعلق ہیں۔ آج کے دور میں جب انسان کا ذہن باہر  
کے اس نقطہ پر پہنچ چکا ہے کہ وہ روحانیت کو عملی بنیادوں پر سمجھ سکے، قلندر بابا  
اولیاءؒ نے علم روحانیت اور کائنات کی تخلیق میں جاری و ساری قوانین کو عام فہم  
زبان میں لکھوایا۔ اور اس طرح جو کتاب تیار ہوئی اس کا نام "روح و قلم" رکھا گیا۔  
روح و قلم کے مطالعے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کائنات کے تخلیقی مراحل نگاہوں  
کے سامنے آگئے ہیں۔ قلندر بابا اولیاءؒ نے یہ کتاب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے  
حکم پر لکھوائی جو بطریق اولیٰ سید ملا۔

**نقشہ اور گرام** | روح و قلم کی اضافی تشریح کرتے ہوئے قلندر  
بابا اولیاءؒ نے بہت سے نقشے، تصاویر، اشکال  
اور گرام بنا کر دیئے۔ یہ اشکال اور نقشے زمین و سموات اور عالم ملکوت و جبروت کے

تخلیقی فارمولوں پر مشتمل ہیں۔ نیسوزان میں مقامات ارضی و سماوی کا خاکہ بھی موجود ہے۔  
**رباعیات** | قلندر بابا اولیاءؒ ایک بلند پایہ شاعر تھے۔ شعر و سخن کا ذوق  
آپ نے بچپن سے پایا تھا۔ قلندر باباؒ نے بہت سی رباعیات  
کہیں جن میں معرفت کے نکات، آدم خاکی کی حیثیت اور عالم رنگ و بو کی حقیقت  
کو اپنے مخصوص انداز میں بیان کیا ہے۔ ان رباعیات میں جو گہرائی ہے وہ مقام ولایت  
عرفان میں آپ کی عظمت کی گواہی دیتی ہے۔ چند رباعیات پیش خدمت ہیں:

جس پر دے میں دیکھتا ہوں پرولہ الگ  
جس نقش میں دیکھتا ہوں نقشب الگ  
ہر ذرہ میں جشید و سریدوں ہیں ہزار  
سبحان اللہ کہ میری دنیا ہے الگ

زلفیں ہیں ہزار مشک اور عنبر میں  
ہیں سینکڑوں رخسار جو ہیں گوہر میں  
اس راہ میں رکھ پیر ذرا آہستہ  
آنکھیں ہیں ہزار پری زادوں کی خاکستر میں

نہا سے صادر ہونے والا معجزہ ہویا دلی سے سرزم ہونے والی کرامت سب  
کسی نہ کسی قانون کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ اولیاء اللہ سے متعلق تذکرے اس اعتبار سے  
لکھے گئے ہیں کہ ان حضرات کی اصل صفات چھپ گئی ہیں اور اس طرز فکر کو اجاگر نہیں کیا  
گیا ہے جو کشف و کرامت کی محرک ہوتی ہے۔ کشف و کرامت کے قانون یا کشف و



کرامت کی سائنس کو تیار کر لیا۔ قلندر بابا اولیاءؒ نے اپنے ناما بابا تاج الدین ناگپوری کا تذکرہ بعنوان "تذکرہ تاج الدین بابا" لکھوایا۔ تذکرے میں ان واقعات کو بیان کیا ہے جو قلندر بابا اولیاءؒ کے سامنے پیش آئے۔

"تذکرہ تاج الدین بابا" کی افادیت کے پیش نظر ہم اس کتابچہ کو قلندر باباؒ کے تذکرے کے ساتھ منسلک کر رہے ہیں تاکہ قارئین جو پوری کتاب سے گزر کر بابا تاج الدین کی ہر صفت ذات سے متعارف ہو چکے ہیں، اس تذکرے کو پڑھ کر حضرت بابا تاج الدین سے صادر ہونے والی کرامات کی علمی توجیہ سے بھی واقفیت حاصل کر لیں۔

تذکرہ

# تاج الدین بابا

(حصہ اول)

قلندر حسن اخروی محمد عظیم ریحی  
(نواسا بابا صاحب)

شائع کردہ

مکتبہ تاج الدین بابا



## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یہ ایک مختصر تذکرہ ہے اس بات سے متعلق کہ اولیاء اللہ کس طرح سوچتے ہیں اور ان کی باتوں کا اہم موضوع کیا ہوتا ہے۔ نانا تاج الدین کی کرامتوں کا تذکرہ سب سے پہلے گجراتی زبان کی ایک تالیف میں کیا گیا تھا۔ بعد میں ہندی اور اردو میں وہ نسخے مرتب ہوئے جن میں کچھ تو گجراتی زبان کی اس تالیف سے اخذ کیا گیا اور کچھ روایت کے طور پر بہت سے حفرات کے بیان کردہ واقعات اضافہ کئے گئے۔ تاہم کسی تذکرہ میں ان معنی علوم کو نقطہ نظر نہیں بنایا گیا تھا جن کا تعلق نانا رحمۃ اللہ علیہ کے ذوق طبیعت اور قدرت کی رازداری سے ہے۔ وہ صرف خصوصی مسائل ہی میں نہیں بلکہ عام حالات میں بھی اپنی گفتگو کے اندر ایسے مرکزی نقطے بیان کر جاتے تھے جو براہ راست قانون قدرت کی گہرائیوں سے ہم رشتہ ہیں بعض اوقات اشاروں اشاروں ہی میں وہ ایسی بات کہ جاتے جس میں کرامتوں کی عظمیٰ توصیف ہوتی اور سننے والوں کی آنکھوں کے سامنے کیا رنگی کرامت کے اصولوں کا نقشہ آجاتا۔ کبھی کبھی ایسا معلوم ہوتا کہ ان کے ذہن سے تسلسل کے ساتھ سننے والوں کے ذہن میں روشنی کی ہر منتقل ہو رہی ہیں اور ایسا بھی ہوتا کہ وہ بالکل خاموش بیٹھے ہیں اور حاضرین میں ذہن ہر وہ بات اپنے ذہن میں سمجھتے اور محسوس کرتے چلے جاتے ہیں جو نانا رحمۃ اللہ علیہ کے ذہن میں اس وقت گشت کر رہی ہے۔ بغیر توجہ دیئے بھی ان کی غیر ارادی توجہ



لوگوں کے اوپر عمل کرتی رہتی تھی۔ بعض لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ ہم نے بابا صاحب کے اس طرزِ ذہن سے بہت فیضان حاصل کیا ہے۔ یہ بات تو بالکل ہی عام تھی کہ چند آدمیوں کے ذہن میں کوئی بات آئی اور یکایک ناما رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب دے دیا۔ اردو دہانے میں انہیں اکثر سوچنا پڑتا، پھر بھی الفاظ میں کچھ ایسا زور دیتا کہ سامعین ان کا مافی الضمیر فوراً سمجھ جاتے۔

**انسان، فرشتے اور جنات** | مرہٹہ راجہ رگھو راؤ ان سے غیر معمولی عقیدت رکھتا تھا۔ ان کی خدمت میں حاضر ہوتا اور کوئی درخواست کرتا تو اس طرح جیسے دیوتاؤں کے حضور میں۔ ایک مرتبہ انہوں نے راجہ کے مندر کا بت توڑ ڈالا۔ پجاریوں نے شور مچا دیا۔ لیکن راجہ موروثی مال سے بالکل متاثر نہیں ہوا۔ محل والوں کی شکایت پر راجہ نے مسکرا کر فقط ایک جملہ کہا: بابا صاحب بھی دیوتا ہیں۔ یہ معاملہ دیوتاؤں کا ہے، آپس میں خود نمٹ لیں گے۔ ہمارا اتہار دیوتا بے ادبی ہے! اس جملہ سے محض راجہ کی عقیدت کا ہی نہیں، اس طرزِ فکر کا بھی اندازہ ہوتا ہے جو روحانی شخصیتوں کے بارے میں راجہ کے ذہن میں تھی۔ جو لوگ دنیوی قدروں سے کچھ بھی مانوس ہیں وہ اتنا ضرور جان سکتے ہیں کہ راجہ مخفی علوم سے سس رکھتا تھا اور اس کے اندر فیضان حاصل کرنے کی صلاحیت موجود تھی۔ یہاں وہ چند باتیں پیش کرنا بھی ضروری ہیں جو میری موجودگی میں راجہ اور ناما رحمۃ اللہ علیہ میں ہوا کرتی تھیں۔ ان اوقات میں کوئی اور صاحب بھی سوال کر لیا کرتے اور پوری مجلس جواب دینے سے مستفیض ہوتی۔ ایک مرتبہ ہمارا راجہ نے سوال کیا: بابا صاحب! ایسی مخلوق جو نظر نہیں آتی مثلاً فرشتے یا جنات، انہیں تو ان کی حیثیت رکھتی ہے جتنی آسمانی کتابیں ہیں

ان میں اس قسم کی مخلوق کے تذکرے ملتے ہیں۔ ہر مذہب میں بدردھوں کے بارے میں بھی کچھ نہ کچھ کہا گیا ہے لیکن عقلی اور علمی توجیہات نہ ہونے سے وہی فہم انسانوں کو سوچنا پڑتا ہے۔ وہ یہ کہتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم سمجھ گئے۔ تجربات جو کچھ زبان زد ہیں، وہ انصاف سزا دی ہیں، اجتماعی نہیں۔ آپ اس مسئلہ پر کچھ ارشاد فرمائیں!

ناما رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں جو کچھ مندرمایا وہ فقط تبصرہ نہیں بلکہ میرے اندازے میں ایسے اہمات کا مجموعہ ہے، قدرت نے ان کی ذات کو جن کام کو جناب یا تھا۔ صاحب فرست انسانوں کے لئے یہ موقوفات مددِ درجہ محلِ تفکر ہیں۔ ان کے جواب سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ قدرت اور ان کے ذہن کی سطح قریب قریب ایک ہے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ مسئلہ کی وضاحت جن خیالات کے ذریعے کی گئی ہے وہ قدرت کے رازوں میں کس طرح سمائے ہوئے ہیں۔ جس وقت یہ سوال کیا گیا، ناما تاج الدین بیٹے ہوئے تھے۔ ان کی نگاہ ادھر تھی۔ فرماتے تھے: یہاں رگھو راؤ! اہم سب جب سے پیدا ہوئے ہیں، ستاروں کی مجلس کو دیکھتے رہتے ہیں۔ شاید ہی کوئی رات ایسی ہو کہ ہماری نگاہیں آسمان کی طرف نہ اٹھتی ہوں۔ بڑے مزے کی بات ہے، ہم نے میں ہی آتا ہے کہ ستارے ہمارے سامنے ہیں، ستاروں کو ہم دیکھ رہے ہیں، ہم آسمانی دنیا سے روشناس ہیں۔ لیکن ہم کیا دیکھ رہے ہیں اور ماہِ رجبِ شمس کی کون سی دنیا سے روشناس ہیں۔ اس کی تشریح ہمارے بس کی بات نہیں۔ جو کچھ کہتے ہیں، قیاس آرائی سے زیادہ نہیں ہوتا۔ پھر کچھ سمجھتے بھی ہیں کہ ہم جانتے ہیں۔ زیادہ حیرتناک امر یہ ہے کہ جب ہم دھڑکی کرتے ہیں کہ انسان کچھ نہ کچھ جانتا ہے تو قطعاً انہیں سوچئے کہ اس دلوں کے اندر حقیقت ہے یا نہیں!



فرمایا: جو کچھ میں نے کہا اُسے سمجھو، پھر بتاؤ کہ انسان کا علم کس حد تک مغفول ہے۔ انسان کچھ نہ جاننے کے باوجود اس کا یقین رکھتا ہے کہ میں بہت کچھ جانتا ہوں۔ یہ چیزیں دُور پر سے کی ہیں۔ جو چیزیں ہر وقت انسان کے تجربے میں ہیں، ان پر بھی نظرسا ڈالتے جاؤ۔ دن طلوع ہوتا ہے۔ دن کا طلوع ہونا کیسا شے ہے، اس میں نہیں معلوم۔ طلوع ہونے کا مطلب کیا ہے ہم نہیں جانتے۔ دن رات کیا ہیں؟ اس کے جواب میں انہی بات کہہ دی جاتی ہے کہ یہ دن ہے۔ اس کے بعد رات آتی ہے۔ تو یہ انسانی کا بھی تجربہ ہے۔ یہاں گھوراؤ، ذرا سوچو کیا سمجھدہ طبیعت انسان اس جواب پر مطمئن ہو جائے گا؟ دن رات، فرشتے نہیں ہیں۔ جنات نہیں ہیں۔ پھر سبھی وہ مظاہر ہیں جن سے ایک فرد واحد بھی انکار نہیں کر سکتا۔ تم آنا کہہ سکتے ہو کہ دن رات کو نگاہ دیکھتی ہے، اس لئے قابل یقین ہے۔ لیکن یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ نگاہ کے ساتھ فکر بھی کام کرتی ہے۔ اگر نگاہ کے ساتھ فکر کام نہ کرے تو زبان نگاہ کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتی۔ نگاہ اور فکر کا عمل ظاہر ہے۔ دراصل سارے کا سارا عمل تفکر ہے۔ نگاہ محض ایک گونگا ہبولی ہے۔ فکر ہی کے ذریعے تجربات عمل میں آتے ہیں۔ تم نگاہ کو تمام حواس پر قیاس کر لو۔ سب کے سب گونگے، بہرے اور اندھے ہیں۔ تفکر ہی حواس کو سماعت اور بصارت دیتا ہے۔ سمجھایا جاتا ہے کہ حواس تفکر سے الگ کوئی چیز ہے حالانکہ تفکر سے الگ ان کا کوئی وجود نہیں ہے۔ انسان محض تفکر ہے۔ فرشتہ محض تفکر ہے۔ جن محض تفکر ہے۔ علیٰ ہذا قیاس ہر ذی ہوش تفکر ہے۔

فرمایا کہ اس گفتگو میں ایک ایسا مقام آ جاتا ہے جہاں کائنات کے کئی راز شکست ہو جاتے ہیں۔ خود سے سنو، ہمارے تفکر میں بہت سی چیزیں اُجھرتی رہتی ہیں۔ دراصل

باہر سے آتی ہیں۔ انسان کے علاوہ کائنات میں اور جتنے تفکر میں جن کا تذکرہ ابھی کیا گیا ہے۔ فرشتے اور جنات۔ ان سے انسان کا تفکر اسی طرح مست اثر ہوتا رہتا ہے جس طرح انسان خود اپنے تفکر سے متاثر ہوتا ہے۔ قدرت کا چلن یہ ہے کہ وہ لامتناہی تفکر سے تنہا ہی تفکر کو فیضان پہنچاتی رہتی ہے۔ پوری کائنات میں اگر قدرت کا یہ فیضان جاری نہ ہو تو کائنات کے افراد کا یہ درمیانی رشتہ کٹ جائے۔ ایک تفکر کا دوسرے تفکر کو متاثر کرنا بھی قدرت کے اس مرکز عمل کا ایک جزو ہے۔ انسان پابگل ہے۔ جنات پابہیولی ہیں، فرشتے پابہ نور۔ تفکر تین قسم کے ہیں اور تینوں کائنات میں۔ اگر یہ تینوں مربوط نہ رہیں اور ایک تفکر کی ہسرتیں دوسرے تفکر کو نہیں تو ربط ٹوٹ جائے گا اور کائنات منہدم ہو جائے گی۔

ثبوت یہ ہے کہ ہمارا تفکر ہبولی اور ہبولی قسم کے تمام حواس سے فکری طور پر فرشتہ ہے۔ ساتھ ہی ہمارا تفکر نور اور نور کی ہر قسم سے بھی فکری طور پر دشمناس ہے حالانکہ ہمارے اپنے تفکر کے تجربات پابگل ہیں۔ اب یہ بات واضح ہو گئی کہ ہبولی اور نور کے تجربات انہی تفکر سے ملے ہیں۔

عام زبان میں تصحیح کرنا کا نام دیا جاتا ہے اور آنا یا تفکر ایسی کیفیات کا مجموعہ ہوتا ہے جن کو مجموعی طور پر فرد کہتے ہیں۔ اس طرح کی تخلیق ستارے بھی ہیں اور ذرات بھی۔ ہمارے شعور میں یہ بات یا تو بالکل نہیں آتی یا بہت کم آتی ہے کہ تفکر کے ذریعے ستارے ذروں اور تمام مخلوق سے ہمارا تبادلہ خیال ہوتا رہتا ہے۔ ان کی آنا یعنی تفکر کی ہسرتیں میں بہت کچھ دیتی ہیں اور ہم سے بہت کچھ لیتی ہیں۔ تمام کائنات اس قسم کے تبادلہ خیال کا ایک خاندان ہے۔ مخلوق میں فرشتے اور جنات ہمارے لئے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ تفکر



کے اعتبار سے ہمارے زیادہ قریب ہیں۔ اور تبادلاً خیال کے لحاظ سے ہم بے زیادہ مانوس ہیں۔

ناناتاج الدین اس وقت ستاروں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ کہنے لگے کہ کشتی نظاموں اور ہمارے درمیان بڑا مستحکم رشتہ ہے۔ بے درپے جو خیالات ہمارے ذہن میں آتے ہیں وہ دوسرے نظاموں اور ان کی آبادیوں سے نہیں وصول ہوتے رہتے ہیں۔ یہ خیالات روشنی کے ذریعے ہم تک پہنچتے ہیں۔ روشنی کی چھوٹی بڑی شعاعیں خیالات کے لاشعار تصویر خانے سے کراتی ہیں۔ ان ہی تصویر خانوں کو ہم اپنی زبان میں ترجمہ خیال، تصور اور تفکر وغیرہ کا نام دیتے ہیں۔ سمجھا رہا تھا ہے کہ یہ ہماری اپنی اختراعات ہیں۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ بلکہ تمام مخلوق کی سوچنے کی طرزیں ایک نقطہ مشترک رکھتی ہیں۔ وہی نقطہ مشترک تصویر خانوں کو جمع کر کے ان کا علم دیتا ہے۔ یہ علم نوع اور فرد کے شعور پر منحصر ہے شعور جو اسلوب اپنی انا کی انداز کے مطابق قائم کرتا ہے تصویر خانے اس ہی اسلوب کے سانچے میں داخل جاتے ہیں اس موقع پر یہ بتا دینا ضروری ہے کہ تین نوعوں کے طرز عمل میں زیادہ اشتراک ہے۔ ان ہی کا تذکرہ مستر آئن پاک میں انسان، فرشتہ اور جنات کے نام سے کیا گیا ہے۔ یہ نوعیں کائنات کے اندر سارے کشتائی نظاموں میں پائی جاتی ہیں۔ قدرت نے کچھ ایسا نظام قائم کیا ہے جس میں تین نوعیں تخلیق کا مرکز بن گئی ہیں۔ ان ہی کے ذہن سے تخلیق کی ہر وہ خارج ہو کر کائنات میں منتشر ہوتی ہیں اور جب یہ ہر نوع میں مساخت طے کر کے معین نقطہ پر پہنچتی ہیں تو کائناتی مظاہر کی وحدت اختیار کر لیتی ہیں۔

میں یہ کہہ چکا ہوں کہ تفکر، انا اور شخص ایک ہی چیز ہے۔ انسان کی وجہ سے انہیں معانی کا فرق نہیں کر سکتے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ انا، تفکر اور شخص ہیں کیا؟ یہ وہ

ہستی ہیں جو لاشعاری کیفیات کی شکلوں اور سراپا سے بنی ہیں مثلاً بصارت، سماعت، محکمہ محبت، رحم، ایشار، رفتار، پرواز وغیرہ۔ ان میں ہر ایک کیفیت ایک شکل اور سراپا رکھتی ہے۔ قدرت نے ایسے بے حساب سراپائے کر ایک جگہ اس طرح جمع کر دیے ہیں کہ الگ الگ پرت ہونے کے باوجود ایک جان ہو گئے ہیں۔ ایک انسان کے ہزاروں جسم ہوتے ہیں۔ علیٰ لہذا بقا کس جنات اور فرشتوں کی بھی یہی ساخت ہے۔ یہ تینوں ساخت اس لئے مخصوص ہیں کہ ان میں کیفیات کے پرت دوسرے انواع سے زیادہ ہیں۔ کائنات کی ساخت میں ایک پرت بھی ہے اور کثیر تعداد پرت بھی ہیں۔ تاہم ہر نوع کے افراد میں مساوی پرت ہیں۔

انسان لاشعاری ستاروں میں آباد ہیں۔ اور ان کی قیاس کتنی ہیں اس کا اندازہ قیاس سے باہر ہے۔ یہی بات فرشتوں اور جنات کے بارے میں کہہ سکتے ہیں۔ انسان ہوں، جنات ہوں یا فرشتے، ان کے سراپا کا ہر سرود ایک پائندہ کیفیت ہے۔ کسی پرت کی زندگی خلی ہوتی ہے یا خفی۔ جب پرت کی حرکت خلی ہوتی ہے تو شعور میں آجاتی ہے، خفی ہوتی ہے تو شعور میں رہتی ہے۔ خلی حرکت کے نتائج کو انسان اختراع و ایجاد کہتا ہے لیکن خفی حرکت کے نتائج شعور میں نہیں آتے۔ حالاں کہ وہ زیادہ غلیظ سم انسان اور مسلسل ہوتے ہیں۔ یہاں یہ راز غور طلب ہے کہ ساری کائنات خفی حرکت کے نتیجے میں رونما ہونے والے مظاہر سے بھری پڑی ہے۔ البتہ یہ مظاہر محض انسانی لاشعور کی پیداوار نہیں ہیں۔ انسان کا خفی کائنات کے دور دراز گوشوں سے مسلسل ربط قائم نہیں کر سکا۔ اس کمزوری کی وجہ نوع انسان کے اپنے خصائل ہیں۔ اس نے اپنے تفکر کو کس مقصد کے لئے پابجھل کیا ہے یہ بات اب تک نوع انسانی کے شعور سے ماوراء ہے۔ کائنات



میں جو تفکر کام کر رہا ہے اس کا تقاضا کوئی ایسی مخلوق پورا نہیں کر سکتی جو زمانی، مکانی یا مادی کی گرفت میں ہے۔ دست و پا ہو۔ اس شکل میں ایسی تخلیق کی ضرورت تھی جو اس کے خالی گوشوں کو مکمل کرنے کی طاقت رکھتی ہو۔ پناہیہ کائناتی تفکر سے جنات اور فرشتوں کی تخلیق عمل میں آئی تاکہ خلا پر ہو جائے۔ فی الواقع انسانی تفکر سے وہ تمام مظاہر رونما نہیں ہو سکے جن سے کائنات کی تکمیل ہو جاتی۔

کائنات زمانی مکانی فاصلوں کا نام ہے۔ یہ فاصلے اُن کی چھوٹی بڑی مخلوق لہروں سے بنتے ہیں۔ ان لہروں کا چھوٹا بڑا ہونا ہی تغیر کہلاتا ہے۔ دراصل زمان اور مکان دونوں اسی تغیر کی صورتیں ہیں۔ وہاں جس کے بارے میں دنیا کم جانتی ہے اس مخلوق کا نتیجہ اور مظاہر کی اصل ہے۔ یہاں وہاں سے خرد و حواہل نہیں ہے۔ وہ حواہل نظر آتا ہے اور وہاں ایسا دھواں ہے جو نظر نہیں آتا۔ انسان مثبت وہاں کی اور جنات منفی کی پیداوار ہیں۔ رہا فرشتہ، ان دونوں کے ملحق سے بنا ہے۔ عالمین کے یہ تین اجزائے ترکیبی غیب ڈھونڈ کے پائی ہیں۔ ان کے بغیر کائنات کے گوشے اسکانی مخلوق سے خالی رہتے ہیں۔ نتیجہ میں ہمارا شعور اور لاشعور حیات سے دور نابود میں گم ہو جاتا ہے۔ ان تین نوعوں کے درمیان عجیب و غریب کشمکش برسرِ عمل ہے مثبت وہاں کی ایک کیفیت کا نام مٹھاس ہے۔ اس کیفیت کی کثیر مقدار انسانی خون میں گردش کرتی رہتی ہے۔ وہاں کی منفی کیفیت خشکی ہے۔ اس کیفیت کی کثیر مقدار جنات میں پائی جاتی ہے۔ ان ہی دونوں کیفیتوں سے فرشتے بنے ہیں۔ اگر ایک انسان میں مثبت کیفیت کم ہو جائے اور منفی بڑھ جائے تو انسان میں جنات کی تمام صلاحیتیں بیدار ہو جاتی ہیں۔ اور وہ جنات کی طرح عمل کرنے لگتا ہے۔ اگر کسی جن میں مثبت کیفیت بڑھ جائے اور منفی

کیفیت کم ہو جائے تو اس میں ثقل وزن پیدا ہو جاتا ہے۔ فرشتہ پر بھی یہی قانون نافذ ہے۔ اگر مثبت اور منفی کیفیات معین سطح سے اوپر آجائیں تو مثبت کے زور پر وہ انسانی صلاحیت پیدا کر سکتا ہے اور منفی کے زور پر جنات کی۔ بالکل اسی طرح اگر انسان میں مثبت اور منفی کیفیات معین سطح سے کم ہو جائیں تو اس سے فرشتہ کے اعمال صادر ہونے لگیں گے۔

طریق کار بہت آسان ہے۔ مٹھاس اور تک کی معین مقداریں کم کر کے فرشتوں کی طرح زمانی مکانی فاصلوں سے وقتی طور پر آزاد ہو سکتے ہیں۔ محض مٹھاس کی مقدار کم کر کے جنات کی طرح زمانی مکانی فاصلے کم کر سکتے ہیں لیکن ان تدبیروں پر عمل پیرا ہونے کے لئے کسی روحانی انسان کی رہنمائی اشد ضروری ہے۔

### شیر کی عقیدت

ایک دن راکھی شریف کے جنگل میں پہاڑی بٹے پر چند لوگوں کے ہمراہ چڑھتے چلے گئے۔ ناماروتہ اشد علیہ سکرا کر کہنے لگے۔ "میں جس کو شیر کا ڈر ہو وہ چلا جائے، میں تو یہاں ذرا سی دیر آرام کروں گا۔ خیال ہے کہ شیر ضرور آئے گا۔ جتنی دیر قیام کرے اس کی مرضی۔ تم لوگ خواہ مخواہ اشتعال میں مبتلا نہ رہو، جاؤ کھاؤ پو اور مرزہ کرو۔"

بعض لوگ ادھر ادھر چھپ گئے اور نہ زیادہ چلے گئے۔ میں نے حیات خاں سے کہا کیا ارادہ ہے۔ پہلے تو حیات خاں سوچا رہا۔ پھر زیر لب سکرا کر خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے پھر سوال کیا۔ چلتا ہے یا تا شاد کیٹا ہے؟

"بھلا یا صاحب کو چھوڑ کے میں کہاں جاؤں گا؟ حیات خاں بولا۔

گرمی کا موسم سہم تھا۔ درختوں کا سایہ اور ٹھنڈی ہوا خمار کے طوفان اٹھا



ہی تھی۔

تھوڑی دیر بیٹ کر میں ایک گھنٹی بھاڑی کے نیچے بیٹ گیا۔ چند قدم کے فاصلے پر جہاں اس طرح بیٹھ گیا کہ نانا تاج الدین کو کن آنکھوں سے دیکھا رہا ہے۔ اب وہ دیر گھاس پر بیٹ چکے تھے۔ آنکھیں بند تھیں۔ فضا میں بالکل سناٹا چھایا ہوا تھا۔

چند منٹ گزرے۔ مجھے کبھی بھیانک محسوس ہونے لگا۔ آدھ گھنٹہ پہلے ایک گھنٹہ۔ اس کے بعد بھی کچھ وقفہ ایسے گزر گیا جیسے شدید انتظار ہو۔ یہ انتظار کسی سادھو کی جوگی کسی ولی کسی انسان کا نہیں تھا بلکہ ایک درندہ کا تھا جو کم از کم میرے ذہن میں قدم بقدیم حرکت کر رہا تھا۔ بکا ایک نانا رحمتہ اللہ علیہ کی طرف نگاہیں متوجہ ہو گئیں۔ ان کے پیروں کی طرف ایک طویل القامت شیر ڈھلان سے اوپر چڑھ رہا تھا۔ بڑی آہستہ خرامی سے، بڑے ادب کے ساتھ۔

شیر نیم دائی آنکھوں سے نانا تاج الدین کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ذرا دیر میں وہ پیروں کے بالکل قریب آگیا۔

نانا گہری نیند میں بے خبر تھے۔ شیر زبان سے تلوے پھوڑا ہوا تھا۔ چند منٹ بعد اس کی آنکھیں مستان داری سے بند ہو گئیں۔ سر زمین پر رکھ دیا۔

نانا تاج الدین ابھی تک سو رہے تھے۔

شیر نے اب زیادہ جرأت کر کے تلوے چاٹنا شروع کر دیئے۔ اس حرکت سے نانا کی آنکھ کھل گئی۔ اسٹاکر بیٹھ گئے۔ شیر کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔

کہنے لگے تو آگیا۔ اب تیری صحت بالکل ٹھیک ہے۔ میں تجھے تندرست دیکھ کر

بہت خوش ہوں۔ اچھا اب جاؤ۔ شیر نے بڑی مسرت سے دم ملائی اور چلا گیا۔ میں نے ان واقعات پر بہت غور کیا۔ یہ بات کسی کو معلوم نہیں کہ شیر پہلے کبھی ان کے پاس آیا تھا۔ مجبوراً اس امر کا یقین کرنا پڑتا ہے کہ نانا اور شیر پہلے سے ذہنی طور پر روشناس تھے۔ روشناسی کا طریقہ ایک ہی ہو سکتا ہے۔ اُن کی جوہر بنانا اور شیر کے درمیان رد و بدل ہوتی تھیں وہ آپس کی اطلاعات کا باعث بنتی تھیں۔ عارفین میں کشف کی عام روش بھی ہوتی ہے۔ لیکن اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ جانوروں میں بھی کشف اسی طرح ہوتا ہے۔ کشف کے معاملے میں انسان اور دوسری مخلوق یکساں ہیں۔

یہ قانون بہت فکر سے ذہن نشین کرنا چاہیے کہ جس قدر خیالات ہمارے ذہن میں دور کرتے رہتے ہیں، ان میں بہت زیادہ ہمارے معاملات سے غیر متعلق ہوتے ہیں۔ ان کا تعلق قریب اور دور کی ایسی مخلوق سے ہوتا ہے جو کائنات میں ہیں نہ کہیں موجود ہو۔ اس مخلوق کے تصورات ہروں کے ذریعے ہم تک پہنچتے ہیں۔ جب ہم اُن تصورات کا جوڑ اپنی زندگی سے ملانا چاہتے ہیں تو ہزار کوشش کے باوجود ناکام و جاتے ہیں۔ اُن کی جن ہوسروں کا ابھی تذکرہ ہو چکا ہے ان کے بارے میں بھی چند باتیں فکر طلب ہیں۔ سائنس دان روشنی کو زیادہ سے زیادہ تیسرے رفتار قرار دیتے ہیں۔ لیکن وہ اپنی تیسرے رفتار نہیں ہے کہ زمانی مکانی فاصلوں کو منقطع کرے۔ البتہ اُن کی ہوسر میں لاشائیت میں ایک وقت ہر جگہ موجود ہیں۔ زمانی مکانی فاصلے ان کی گرفت میں رہتے ہیں۔ بالفاظ دیگر یوں کہہ سکتے ہیں۔ ان ہروں کے لئے زمانی مکانی فاصلے موجود ہی نہیں ہیں۔ روشنی کی ہوسر جن فاصلوں کو کم کرتی ہیں، اُن کی ہوسر ان جلی سوں کو بچانے خود موجود نہیں جانتیں۔



انسانوں کے درمیان ابتدائے آفرینش سے بات کرنے کا طریقہ رائج ہے۔ آواز کی ہمسری جن کے معنی متین کئے جاتے ہیں، سننے والوں کو مطلع کرتی ہیں۔ یہ طریقہ اس ہی تبادلہ کی نقل ہے جو ان کی اہروں کے درمیان ہوتا ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ گوزن آدھی اپنے ہونٹوں کی خفیف جنبش سے سب کچھ کہہ دیتا ہے اور بچے کے اہل سب کچھ سمجھ جاتے ہیں۔ یہ سیریل بھی پہلے طریقہ کا عکس ہے۔ جانور آواز کے بغیر ایک دوسرے کو اپنے حال سے مطلع کر دیتے ہیں۔ یہاں بھی ان کی ہمسری کام کرتی ہیں۔ خوش پس میں گفتگو کرتے ہیں۔ یہ گفتگو موت آنے سے سانس کے درختوں میں ہی نہیں ہوتی بلکہ دور راز ایسے درختوں میں بھی ہوتی ہے جو ہزاروں میل کے فاصلے پر واقع ہیں۔ یہی قانون عادات میں بھی رائج ہے۔ بنگلہ دوس، پتھروں، مٹی کے ڈنڈوں میں من و عن کی طرح نبادلہ خیال ہوتا ہے۔

انیلا اور روحانی طاقت رکھنے والے انسانوں کے کہنے ہی واقعات اس کے شاہد ہیں۔ ساری کائنات میں ایک ہی لاشعور کا فرما ہے۔ اس کے ذریعے غیبی شہود کی ہر ہر دوسری ہر کے معنی سمجھتی ہے، چاہے یہ دونوں ہر کائنات کے دو کناروں پر واقع ہوں۔ غیب و شہود کی فراست اور سنویت کائنات کی رگ جان ہے۔ ہم اس رگ جان میں جو خود ہماری اپنی رگ جان بھی ہے، تفکر اور توجہ کر کے اپنے ستارے اور دوسرے ستاروں کے آثار و احوال کا انکشاف کر سکتے ہیں۔ انسانوں اور حیوانوں کے قصورات، جثات اور فرشتوں کی حرکات و سکنات، نباتات و جمادات کی اندرونی تحریکات معلوم کر سکتے ہیں۔

مسلل توجہ دینے سے ذہن کائناتی لاشعور میں تحلیل ہو جاتا ہے اور ہمارے

سراپا کا سین پر ت آنا کی گرفت سے آزاد ہو کر ضرورت کے مطابق ہر چیز دیکھتا، سمجھتا اور شعور میں محفوظ کر دیتا ہے۔

پتے کیرٹے بن گئے | شکر درہ میں نانا تاج الدین ایک درخت کے نیچے بیٹھا کرتے تھے۔ گھنٹوں چپ رہتے۔ نگاہ نیچے کئے گھنٹوں میں سر دیئے اس طرح جیسے کوئی مراقبہ کرتا ہو۔ لوگ ان کے ارد گرد جمع ہو جاتے اور انتظار کرتے رہتے کہ وہ متوجہ ہوں۔ لیکن بعض دفعہ صبح سے شام ہو جاتی مگر ان کے سراپا میں کوئی حرکت نہ ہوتی۔ حاضرین بالآخر مایوس ہو کر واپس چلے جاتے۔

نانا علیہ الرحمۃ کی اس بے خودی کو جات خال چائے کی پیالی وے کر یا دوپہر کا کھانا پیش کر کے دور کرنے کی کوشش کرنا لیکن بار بار ناکام ہو کر بی مریم کے پاس پہنچ جاتا اور افسردہ لہجے میں اپنی ناکامی کا تذکرہ کرتا: بابا صاحب نے صبح سے چائے نہیں پی۔ میرا تو بس بیٹن چلتا۔ اب تم ہی بتاؤ میں کیا کروں۔ معلوم نہیں آج وہ کھانا بھی کھائیں گے یا نہیں؟

اس کی بات سن کر بی مریم بھی دم بخود رہ جاتیں۔ دیر تک سوچتی رہتیں۔ پھر کہیں "یہ استغراق ہے۔ کم بخت بابا صاحب کے پیچھے پڑ گیا ہے؟"

وہ دونوں انتظار کرتے رہتے۔ دو دو تین تین دن گزر جاتے اور بے خودی اس سے سن نہ ہوتی۔ کھانا یا چائے تو ایک طرف پانی کا ایک قطرہ بھی ہونٹوں تک نہ جاتا۔ دور دراز سفر کر کے آئے ہوئے مسافر سہولت کے مہمان خانے میں پڑے رہتے۔ گرمی، سردی، بارش کی شدت برداشت کرتے لیکن بغیر ماسری کے جانے کا نام نہ لیتے۔

جیات خاں کا خیال تھا کہ بابا صاحب کے استغراق کی کشش لوگوں کے ذہن



میں انساؤ کی ہر سپدا کرتی رہتی ہے۔ اس کو یقین کامل تھا کہ لوگوں کی خوشی کا ایک مرکز ضرور ہوتا ہے جو ان کی اپنی ذات سے باہر خدا سے یا کسی شخصیت سے وابستگی رکھتا ہے۔ دراصل جیسا کہ خاں یقیناً تمدن کی مسرتوں سے بہت زیادہ مانوس تھا۔ اسی باعث وہ بطور خاص اس تاثر کو تلاش کرتا اور لوگوں کے انتظار سے لطف اندوز ہوتا۔ حالت استغراق میں نانا تاج الدین کی آنکھیں کچھ کھلی رہتی تھیں۔ حیات خاں اکثر ان کی نیسم باز آنکھیں عجیب ذوق و شوق سے دیکھتا۔ ایک مرتبہ استغراق کی حالت میں حیات خاں نے مجھے اشارے سے بلایا۔ کہنے لگا اس پتہ کو دیکھو۔ میری نظر بکے بعد دیگرے کئی پتوں پر گئی۔ جس پتہ کی طرف اس نے اشارہ کیا تھا اس میں سے ٹانگیں پھرے کے خدو خال اور چھوٹی چھوٹی آنکھیں رونما ہو رہی تھیں۔ یہ پتہ تقریباً تین انچ بلحا ہوگا۔ یکایک میری نظر برابر والے پتے پر جا پڑی۔ اس میں بھی ویسا ہی تغیر ہوا تھا۔ یہ دونوں پتے ایک دوسرے کے پیچھے چلنے لگے۔ ایک دو منٹ میں ان کی ہیئت اتنی بدلی کہ پتوں کی کوئی شباهت ان میں باقی نہیں رہی۔ وہ درخت کے تنے کی طرح چلے جا رہے تھے۔ اور نانا تاج الدین کی نیسم دائرہ آنکھیں ان پر جمی ہوئی تھیں۔ اس واقعہ کے بعد حیات خاں کئی دن تک ایک بھن گنگنا تار ہا جو اس بول سے شروع ہوتا ہے۔

پر جو دھن دھن قدرت تیری

کئی مہینے بعد میں نے نانا سے اس کی علی تجویہ معلوم کی۔ فرمایا: ارے تو سمجھ بھی سکے گا۔ دیکھ یہ درخت ہے۔ اس کے اندر زندگی کے سارے ٹکڑے جڑے ہوئے ہیں۔ وکیلا، سننا، سمجھنا، جنبش کرنا۔ یہ سب ٹکڑے اس درخت کے اندر جھانکنے سے نظر آتے ہیں۔ اس کے ہر پتے میں پچ پچ کا سنہ ہے پچ پچ کے ہاتھ ہر پتے میں۔ فرق اتنا ہے کہ

تک پتہ دوسری زندگی سے مکرانا نہیں، اس کے اندر عام لوگ یہ نیزنگ دیکھ نہیں سکتے۔ اور جب کوئی پتہ میری زندگی سے ملے گا ہے تو جیتا جاگتا کیسٹرا بن جاتا ہے۔ یہ سمجھ کر آنکھ سے بھی گلے ملتے ہیں۔ یاد رکھ زندگی سے زندگی بنتی ہے اور زندگی میں کئی بار دیوار میں سے گزر جانا جس زمانہ میں والد صاحب دلی ٹول ٹیکس میں محتر تھے ہمارے مکان کی ایک دیوار بارش میں گر گئی۔ مکان دار برسات میں مرمت کرانے کے لئے تیار نہ تھا۔ نانا تاج الدین نے والد کو خط لکھا کہ بھائی اور شیشی سیدہ کو ناگہم پہنچا دو۔ ان ایام میں وہ راجہ رگھو راؤ کے پاس مقیم تھے۔ ہم لوگوں کے لئے شطرنج بورڈ میں رہائش کا انتظام کیا گیا۔ روزانہ یا دوسرے دن نانا اپنی گھوڑا گاڑی میں یہاں تشریف لاتے۔ گھنٹوں ہمارے ساتھ گزارتے۔ اکثر ارادہ کروا کر آبادی کے لوگوں کا آنا جانا لگا رہتا۔ نانا ان کے محاطات پر غور کرنے میں اتنا دماغ صرف کر دیتے کہ حواس ماؤف ہو جاتے۔ ایک بار بے خیالی میں دروازے کی طرف چلنے کی بجائے وہ دیوار کے پیچھے کھڑی ہوئی گھوڑا گاڑی کی طرف بڑھتے چلے گئے اور ٹھوس دیوار سے گزر کر سڑک پر نکل گئے۔ غائب یہ کر امت ان سے غیر ارادی طور پر صادر ہوئی۔ لوگوں کے محاطات سے متعلق سوچنے میں ان کا ذہن تجلی الہی میں تحلیل ہو گیا اور جسم ذہن کے تار بن ہونے کی وجہ سے ثقل کی منزل سے آگے نکل گیا۔

دو برس کا چلہ | نانا تاج الدین فوج میں بھرتی ہونے کے بعد ساگر ڈپو میں تعینات کئے گئے۔ رات کے ۹ بجے گئی خائن ہو کر بابا داؤد مکی کے مزار پر تشریف لے جاتے۔ وہاں صبح تک مراقبہ اور شاہدہ میں مصروف رہتے اور صبح سویرے پرہیز کے وقت ڈپو پہنچ جاتے۔ یہ مشغلہ پورے دو برس تک جاری



رہا۔ دو برس بعد بھی ہفتہ میں ایک دوبار ان کے یہاں حاضری فرور دیا کرتے تھے۔ جب تک ساگر میں رہے اس معمول میں فرق نہیں آیا۔ چلہ کشی کے ابتدائی دور میں ڈوٹ نام کا ایک مغلوب الغضب کرنل ڈپو کا کمانڈر مقرر ہوا۔ شدہ شدہ نانا کارات کے وقت مزار پر جانا اس کو بھی معلوم ہو گیا۔ چنانچہ یونٹ صوبے دار سے باز پرس کی نوبت آگئی۔ وہ سزا واپس بارہ میں سے تھا۔ اور مزاج کا بڑا سخت تھا۔ اس نے کمانڈر سے بالکل صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ میں اپنے یونٹ کے ہمسرد کا خود ذمہ دار ہوں۔ جب تک سرکاری کاموں میں حرج واقع نہ ہو میں کسی کے کج معاملہ میں دخل نہیں دے سکتا۔ رہا رات کے وقت ڈپو سے باہر جانے کا سلسلہ تو اس کے لئے ان کو پاس ملا ہوا ہے۔

سلسلہ دو برس تک تمام رات جاگنا اور تمام دن کام کرنا بھی ان کی کمرست

ہے۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جناب میں اپنی طویل شب بیداری کے تذکرے میں عرض کیا: یا رسول اللہ! میں آسمان پر فرشتوں کو چلتے پھرتے دیکھتا تھا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم شب بیداری کو اور قائم رکھتے تو فرشتے تم سے مصافحہ کرتے۔

اس روایت کی روشنی میں اگر نانا تاج الدین کی مسلسل شب بیداری پر غور کیا جائے تو اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ غیبی مشاہدات ان کا معمول بن گئے تھے۔ ان کے کئی دوہے اسی مضمون سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں سے ایک

یہ ہے:

سائے بن کی رات میں بن باسی بن جائیں  
و اس ملو کا ساتھ میں جاگیں اور لہسہرائیں

مطلب: جنگل کی رات میں سائے آدمی بن جاتے ہیں۔ تاج الدین ان کے ساتھ جاگتے رہتے ہیں اور خوش گبیاں کرنے رہتے ہیں۔

نانا کو بتایا میں اپنا نام واس ملو کا بیا کرتے تھے۔

متن کے بیڑی بن جاتے تھے

تحقیق و تلاش کے بعد بھی نانا تاج الدین کا سال پیدائش معلوم نہیں ہو سکا۔ بڑے نانا کی حیات میں مجھے زیادہ ہوش نہیں تھا۔ والد صاحب کو ان باتوں سے کوئی دل چسپی نہیں تھی۔ میں نے بڑے نانا کی زبانی یہ سنا ہے کہ تاج الدین کی عمر غدر میں چند سال تھی۔

راکھیں میں انہیں پڑھنے کے علاوہ کوئی شوق نہیں تھا۔ بیڑی مینا کب سے شروع کیا اس کے بارے میں صحیح بات معلوم نہیں ہو سکی۔ البتہ شکر درہ کے قیام میں بیڑی اور چائے کا شوق بہت بڑھ گیا تھا۔ بعض اوقات بیڑیاں ختم ہو جاتیں تو بیڑی کا پڑا اگر کوئی ٹکڑا اٹھا لیا کرتے تھے۔ کسی وقت بیڑی کا ٹوٹا بھی نہیں ملتا تھا۔ پھر ان کی طبیعت غرق عادات کی طرف مائل ہو جاتی۔ جو شکا ہاتھ میں آجاتا اس کو سلگکا لینے۔ لوگوں نے بارہا دیکھا کہ تنکے نے بیڑی کی شکل اختیار کر لی اور بیڑی کی طرح دھواں دینے لگا۔

لنگر ابسیا کھی چھوڑ بھاگا

ایک ٹکڑا نوجوان شفا خانے میں آکر پھیر گیا یہ شفا خانہ بھی مسجد اور مدرسہ کی طرح پھونس کی جھوپڑیوں پر مشتمل تھا۔ ٹکڑا صبح کھاپی کہ شفا خانے سے چلتا اور نانا تاج الدین کے



سانے آبیٹتا۔ سلام کر کے نگڑائی ٹانگ پھیلا کر اپنا ہاتھ میرے گتہ اور ایسا نہاتا  
 کہ جیسے بڑی تحفہ میں ہے۔ نانا ہوں کہہ کر چپ ہو جاتے۔ اسی طرح دو پہینے  
 گزر گئے۔ نگڑا تھا بڑا اڑیل، اپنے معمول پر قائم رہا۔ ایک روز غصہ میں پھرا ہوا آیا  
 اور نانا کی طرف دیکھ کر بڑبڑانے لگا: خدا نے مجھے نگڑا کر دیا۔ جن کی ٹانگیں ہیں  
 ان کو کچھ احساس نہیں۔ سنا تھا کہ خدا کے یہاں انصاف ہے۔ انصاف کو بجا سمجھتا ہوں  
 دیکھ دیا۔ سب ڈھونگ ہے۔ لوگ نہ خدا پکارنے میں اور خدا پہرا ہو گیا ہے کچھ  
 نہیں سنتا۔ خدا والوں کو بھی دیکھ دیا۔ یہ سب گونگے بہرے ہیں۔ خدا اور خدا والوں  
 سے تو میری بیگمیاں اچھی ہے۔ سہارا تو دیتی ہے:

نانا اس کی باتیں سن کر جھنجھلا گئے۔ چیخ کر بولے: "جا و خان ہو۔ بھلا چنگا ہو کر  
 نگڑا بنتا ہے، جھوٹا کہیں کا؟" اور یہ کہہ کر نگڑے کو مارنے کے لئے دوڑے۔ نگڑا  
 جیسا کہی چھوڑ بھاگا۔ اب اس کی نگڑائی ٹانگ بالکل ٹھیک سمی۔

انسان علی شاہ نانا کے فیض یافتہ تھے۔ ان کو روحانی علوم پر عبور تھا اور  
 سوچنے کی طرز میں بھی نانا سے ملتی تھیں۔ انہوں نے نانا کی حیات میں ترک وطن کر کے  
 شکر درہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ایک دن بیٹے بیٹے نگڑے کا یہ واقعہ زیر بحث آگیا  
 انسان علی شاہ کہنے لگے: اس واقعہ کی توجیہ مشکل نہیں۔ یہ سمجھنا کہ کائنات  
 ارتقائی مراحل طے کر رہا ہے غلط ہے۔ یہاں ہر چیز صدوری طور پر ہوتی ہے۔ وقت  
 صرف انسان کی اندرونی واردات ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کوئی شے  
 اندرونی واردات کی حد سے باہر نہیں۔ تفسیر اور ارتقاء کے مرحلے اندرونی واردات  
 ہی کے اجزاء ہیں۔ یہ واردات ہی نوعی سراپا کی نقلیں انسان کی شکل و صورت میں چھاپتی

ہیں۔ چھاپی کی رفتار میں ہے۔ اسی رفتار کا نام وقت ہے۔ اگر اس رفتار میں کمی بیشی  
 ہو جائے تو نگڑا، لولا، اندھا چھینے لگتا ہے۔ حوادث اسی طرح رونما ہوتے ہیں۔  
 جب حادث کا ذہن ایک آن کے لئے صدوری کیفیت میں داخل ہو جاتا ہے  
 تو بے اعتدالیاں دور ہو جاتی ہیں۔

گلاب سنگھ نے نانا تاج الدین کی چائے کے لئے ایک صینس  
 گوالا زندہ ہو گیا

کا دودھ وقف کر رکھا تھا۔ اکثر خود ہی دودھ لے کر آتا اور  
 چمان کر جوش کرنے کے لئے رکھ جاتا۔ وہ سن گیارہ سے یہ خدمت انجام دیتا تھا۔ سن  
 سترہ کی برسات میں ایک صبح دودھ نہیں آیا۔

نانا نے دن چڑھے تک انتظار کرنے کے بعد حیات خاں سے کہا: کیا آج  
 چائے نہیں لے گی؟

حیات خاں نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا: میں تو بہت سویرے سے گلاب سنگھ  
 کا انتظار کر رہا ہوں۔ معلوم نہیں کیا بتا پڑ گئی۔ ابھی تک دودھ نہیں لایا۔ حکم ہو تو بازار  
 سے لے آؤں!

نانا بڑا کر بولے: "پھر تو نے اس کی خبر کرہوں نہیں لی۔ جا کے آ۔"  
 حیات خاں گاؤں کی طرف دوڑا۔ گاؤں میں داخل ہوتے ہی اس کی نظر  
 گلاب سنگھ کی ارسچی پر پڑی۔ لوگ کر یا کرم کے بندوبست میں لگے ہوئے تھے۔ اس نے  
 ایک آواز سنی: بابا صاحب کا گوالا مر گیا!

حیات خاں پریشان ہو کر اٹے پاؤں دوڑا۔  
 نانا تاج الدین راستہ میں اس کا انتظار کر رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر گھو گھبرا



آواز میں بولا: گلاب سنگھ مر گیا!

نانا یسین کر گاؤں کی طرف چل پڑے۔ حیات خاں اور چند آدمی ان کے ساتھ تھے۔ آنکھوں سے جلال برس رہا تھا۔ ارگتی کے قریب پہنچ کر انہوں نے پکارنا شروع کیا: "گلاب سنگھ! گلاب سنگھ!"

بہت فاصلے میں ہجوم سے بولے: "اسے کھول دو۔ یہ زندہ ہے!" اس کے بھائی نے دوڑ کر ارگتی کی ڈوریاں کاٹ ڈالیں۔ ان کی آن میں گلاب سنگھ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

دوسرے دن گلاب سنگھ حسب معمول دودھ لے کر آیا تو گلوں نے اُسے گھیر لیا اور سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔

اب سینے گلاب سنگھ کی کہانی اُس کی اپنی زبان۔

"لوئندوں میں بیگنے سے مجھے تپ چڑھ گئی۔ بدن چلنے لگا۔ کچھ لوگ اڑتے ہوئے آئے اور مجھے اس دنیا سے دوسری دنیا میں لے گئے۔ میں کئی گھنٹے تک ایک ہرے ہرے میدان میں گھومتا رہا۔ اس کے دو راستے تھے۔ ایک راستہ کانٹے دار خشک میں گم ہو گیا اور دوسرے راستے میں آبادیاں تھیں۔ چلتے چلتے میں ایسی جگہ پہنچا جہاں بہت سی عدائیں لگوں سے بھری پڑی تھیں۔ ان ہی عدائوں میں ادھی کرسی کی ایک عمارت دیکھنے میں آئی جس کے دروازے بڑے بڑے تھے۔

میں نے دیکھا بابا صاحب ایک دروازے میں کھڑے کچھ سوچ رہے ہیں۔ پھر وہ محراب کی طرف بڑھے۔ یہاں تخت پر دو جگ کے تان دار، انبیاء کے مزار (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، تشریف رکھتے تھے۔ بابا صاحب تخت کے سامنے ٹھہر گئے اور

سرجہ بیکار درخواست کی۔

"میرے آقا! گلاب سنگھ کی دلہی کا حکم دیا جائے"

"نہیں! بارگاہ نبوی سے ارشاد ہوا۔

بابا صاحب پھر سوچ میں پڑ گئے۔ چند منٹ بعد مونڈوں کو جنبش ہوئی۔ اگر یہ درخواست قبول نہیں ہو سکتی تو فلام حضور کے بجھے ہوئے پیرن کا مستحق

نہیں! یہ کہہ کر بابا صاحب کمرہ اٹارنے لگے۔

سندھ کو تین عیدہ الصلاۃ والسلام نے مجھے ایک نظر دیکھ کر فرمایا۔

"گلاب سنگھ! تم ہاں آ سکتے ہو!"



## منقبت

بکھڑو تاجِ الادبیار بابا تاج الدین ناگ پوری

یا بابا تاج الدین ولی، تم زلفِ نبی، گیسوئے علیؑ  
 تم لاڈلے بی بی زہراؑ کے، تم رُوئے حسینؑ ابروئے علیؑ  
 پروردہ ناز خدا تم ہو، سرکردہ راز خدا تم ہو  
 گل زارِ نبی از خدا تم ہو، خوشبوئے حسنؑ خوشبوئے علیؑ  
 اس دور کے اندر جانا ہے، اس دور کے اندر کھانا ہے  
 تم سے ہے جمالِ مصطفویؐ، تم سے ہے جمالِ خویئے علیؑ  
 تم ختمِ رسل کا نقشِ قدم، تم شمعِ عرب، تم شمعِ مجسم  
 تم سیرِ خفی دلی با اسم، مہکی ہے تم سے بوئے علیؑ  
 یہ آپ ہی کا تو فرما ہے، دریا پانی کر جو پیاسا ہے  
 جلوں کا سمندر دے دیکھے، اسے ہارو حق لے جئے علیؑ

قلند بابا اولیاء

